## (۲۲)

بے مے نہ کندر کف من خانہ روائی
سر داست ہوا۔ آتش بے دود! کجائی ؟

میر مہدی صاحب، صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں۔ ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی نہیں۔ مگر ہائے وہ آتش سیال! کہاں کہ جب دو جرعے پی لیے۔ فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا ہو گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تو امید بہم پہنچا۔ ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب۔ ہائے غضب ہائے غضب،

میاں تم پنسن پنسن کر رہے ہو، گورنر جنرل کہاں اور پنسن کہاں؟ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر، صاحب کمشنر بہادر، نواب لفٹنٹ گورنر بہادر، جب ان تینوں نے جواب دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ میں کروں، مجھے تو دربار خلعت کے لالے پڑے ہیں، تم کو پنسن کی فکر ہے یہاں کے حاکم نے میرا نام فردنہیں لکھا۔ میں نے اس کا اپیل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ہاں کیا ہے۔ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔ بہ ہر حال جو کچھ ہو گا تم کو لکھا جائے گا۔

اجی وہ یوسف ہند نہ سہی، یوسف دہر سہی۔ یوسف عصر سہی، یوسف ہفت کشور سہی۔ ان کی زلیخا نے ستم برپا کر رکھا ہے۔ مجھے تو خبر نہیں کہیں حضرت کہہ گئے کہ میں ساڑھے سات روپے مہینا بھیجے جاؤں گا۔ اب اس کا تقاضا ہے۔ رحیم بخش روز آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ پھوپھا جان کو لکھو کہ پھوپھی جان بھوکی مرتی ہیں۔ خرچ

جلد بھیجو۔ ورنہ نالش کی جائے گی اور تم کو گواہ قرار دیا جائے گا۔ بہ ہر حال میر ن صاحب کو یہ پڑھوا دینا۔ سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ یوسف سفت کشور کو دعا۔

سہ شنبہ ۱۳۔ دسمبر ۱۸۵۹ء  از غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میاں لڑکے،

کہاں پھر رہے ہو، ادھر آؤ خبریں سنو، دربار لارڈ صاحب کا میرٹھ ہوا۔ دلی کے علاقے کے جاگیردار بموجب حکمل کمشنر دہلی میرٹھ گئے۔ موافق دستور قدیم مل آئے۔ غرضیکہ پنجشنبہ ۲۹ دسمبر کو پہر دن چڑھے لارڈ صاحب یہاں پہنچے۔ کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوے۔ اسی وقت توپوں کی آواز سنتے ہی میں سوار ہوکر گیا۔ میر منشی سے ملا، ان کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سکرٹر کو خبر کروائی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ یہ جواب سن کر نومیدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا۔ ہر چند پنسن کے باب میں ہنوز لاونعم نہیں۔ مگر کچھ فکر کر رہا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانے والے ہیں۔ یہاں کچھ کلام و پیام نہیں ممکن۔ تحریر ڈاک میں بھیجی جائے گی۔ دیکھیے کیا صورت پیش آئے گی۔

مسلمانوں کی املاک کی واگزاشت کا حکم عالم ہوگیا ہے۔ جن کو کرایے پر ملی ہے۔ ان کا کرایہ معاف ہوگیا ہے۔ آج یک شنبہ یکم جنوری ۱۸۶۰ء ہے۔ پہر دن چڑھا ہے کہ یہ خط تم کو لکھا ہے۔ اگر مناسب جانو تو آؤ۔ اپنی املاک پر قبضہ پاؤ۔ چاہو یہیں رہو۔ چاہو پھر چلے جاؤ۔ میر سرفراز حسین۔ میر نصیر الدین۔ میر ن صاحب کو میری۔ دعائیں کہنا۔ اور حکیم میر اشرف علی کو بعد دعا کے یہ کہہ دینا کہ یہ جواب جو تم نے مجھ کو دی تھیں۔ انکا نسخہ جلد لکھ کر بھیج دو۔ اللہ موجود۔ ماسوا معدوم۔

(یکم جنوری ۱۸۶۰ء)

## اپنی مرگ کا طالب

غالب،

---

۱؎ بجھنے والی آگ یعنی شراب

---

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ہاہاہا، میرا پیارا میر مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے۔ بیٹھو، یہ رام پور ہے۔ دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے۔ وہ کہاں ہے۔ سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اسکا نام ہے۔ بے شبہ چشمہ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر گر یوں بھی ہے آب حیات عمر بڑھاتا ہے۔ لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا؟

خط تمہارا پہنچا۔ تردد عبث، میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوست۔ نہ عرف لکھنے کی حاجت، نہ محلے کی حاجت، بے وسواس خط بھیج دیا کیجئے اور جواب لیا کیجئے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے۔ اور صحبت مرغوب ہے۔ اس وقت تک مہمان ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں ہے۔ لڑکے۔ دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

(فروری ۱۸۶۰ء) از غالب

میر مہدی تم میر عادات کو بھول گئے۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے۔ میں اس مہینے میں رام پور کیوں رہتا نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی، میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آ پہنچا۔ یک شنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا۔ اسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جا کر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں۔ شب کو مسجد میں جا کر تراویح پڑھتا ہوں۔ کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جا کر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ واہ کیا اچھی طرح بسر ہوتی ہے۔[1]

---

[1] یہ خط اس زمانے میں لکھا گیا۔ جب میرزا غالب پہلی مرتبہ بہ زمانہ یوسف علی خاں رام پور گئے تھے۔

---

اب اصل حقیقت سنو، لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا انھوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھیج دینے میں وہم آیا کہ خدا جانے اگر کوئی امر حادث ہو۔ بدنامی عمر بھر رہے۔ اس سبب سے جلد چلا آیا اور نہ گرمی برسات وہاں کاٹتا۔ اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤں گا۔ اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤں گا۔ قرارداد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ جس کو یہ دسواں مہینا ہے۔ سو روپے مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب جو وہاں گیا تو سو روپیہ مہینا۔ بنام دعوت اور دیا یعنی رام پور رہوں تو وہ سو روپیہ مہینا پاؤں اور دلی رہوں تو سو روپیہ بھائی سو دو سو میں کلام

نہیں، کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب، دوستانہ شاگردانہ دیتے ہیں۔ مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے۔ ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معانقہ و تعظیم۔ جس طرح احباب میں رسم ہے وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوائی تھی۔ بس بہر حال غنیمت ہے۔ رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہیے۔ کمی کا شکوہ کیا؟ انگریز کی سرکار سے دس ہزار روپے سالانہ ٹھہرے۔ ایک صاحب ۳ نے نہ دیے مگر تین ہزار روپے سال، اس میں سے مجھ کو ملے ساڑھے سات سو روپے سال۔

عزت میں وہ پایا جو رئیس زادوں کے واسطے ہوتا ہے۔ بنا رہا۔ خان صاحب بسیار مہربان دوستان القاب خلعت، سات پارچہ اور جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید۔ بادشاہ اپنے فرزندوں کے برابر پیار کرتے تھے۔ بخشی، ناظر حکیم کسی سے توقیر کم نہیں۔ مگر فائدہ وہی قلیل، سو میری جان، یہاں بھی وہی نقشہ ہے۔ کوٹھڑی میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آ رہی ہے۔ پانی جا جھجر ادھرا ہے حقہ پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا۔ یہ باتیں کر لیں۔ میر سرفراز حسین او رمیرن صاحب اور میر نصیر الدین صاحب کو یہ خط پڑھا دینا اور میری دعا کہہ دینا۔

جمعہ ۶۔ اپریل (۱۸۶۰ء)

میاں،

کیوں ناسپاسی وحق ناشناسی کرتے ہو؟ چشم بیمار ایسی چیز ہے کہ جس کی کوئی شکایت کرے۔ تمہارا منہ چشم بیمار کے لائق کہاں! چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں۔ جس کو اچھے اچھے عارف دیکھتے رہتے ہیں۔ تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو؟ خیر ہنسی ہو چکی۔ اب حقیقت حال مفصل لکھو۔ تم زحیر[4] کی عادت رکھتے ہو۔ عوارض چشم سے تم کو کیا علاقہ؟ میر نور چشم کی آنکھ کیوں دکھی میں نے خط تمہیں جان کر نہیں لکھا تھا۔ کہ بعد عید میں وہاں آؤں گا۔

۱ یہ محض سخن گستری اور عبارت طرازی ہے۔ جیسا کہ اگلے پارے میں اصل حقیقت سنو کے جملے سے واضح ہے۔ ۲ تنہا ۳ نواب احمد بخش خاں ۴ پیچش، مرور

مجھ کو خط بھیجنے میں تامل ہوا۔ لکھتے کچھ ہو، کرتے کچھ ہو۔

تنخواہ کی سنو۔ دو برس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے۔ سود خرچ کے جو پائے تھے۔ وہ کٹ گئے۔ ڈیڑھ سو متفرقات میں اٹھ گئے۔ مختار کار[3] دو ہزار لایا۔ چونکہ میں اس کا قرضدار ہوں۔ روپے اس نے اپنے گھر میں رکھے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے۔ حساب کیا۔ سود مول سات کم پندرہ سو روپے ہوئے۔ میں نے کہا میرے قرض متفرق کا حساب کر۔ کچھ اوپر گیارہ سو روپے نکلے۔ میں کہتا ہوں۔ یہ گیارہ سو روپے بانٹ دے۔ نو سو بچے۔ آدھے تو لے، آدھے مجھے دے۔ وہ کہتا ہے پندرہ سو مجھ کو دو۔ پانسو سات تم لو۔ یہ جھگڑا مٹ جائے گا۔ تب کچھ ہاتھ آئیگا

۔خزانے سے روپیہ آ گیا ہے۔ میں نے آنکھ سے دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں۔ بات رہ گئی پت رہ گئی۔ حاسدوں کو موت آ گئی، دوست شاد ہو گئے۔ میں جیسا ننگا بھوکا ہوں۔ جب تک جیوں گا۔ ایسا ہی رہوں گا۔ میرا دارو گیر سے بچنا کرامت ہے اسد اللہی ہے۔ ان پیسوں کا ہاتھ آنا عطیہ یداللہی ہے۔ حاکم شہر لکھ دے کہ یہ شخص ہرگز پنسن پانے کا مستحق نہیں، حاکم صدر مجھ کو پنسن دلوائے اور پورا ردلوائے۔

میرن صاحب کو دعا کہتا ہوں اور مزاج کی خبر پوچھتا ہوں۔ جواب ترکی، جواب عربی، عربی، جو انھوں نے لکھا، وہ میں نے بھی لکھا۔ مجتہد العصر کو بندگی لکھوں۔ دعا لکھوں۔ کیا لکھوں؟ نہیں بھئی، وہ مجتہد ہوں، ہوا کریں میرے تو فرزند ہیں۔ میں دعا ہی لکھوں گا اور اسی طرح میر نصیر الدین کو دعا۔

(مئی ۱۸۶۰ء)

## (۲۷)

جان غالب،

اب کے ایسا بیمار ہو گیا تھا کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ پانچویں دن غذا کھائی، اب اچھا ہوں۔ تندرست ہوں۔ ذی الحجہ ۱۲۷۶ تک کچھ کھٹکا نہیں ہے۔ محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے۔ میر نصیر الدین آئے کئی بار، مگر میں نے ان کو دیکھا نہیں۔ اب کے بار دورے میں مجھ کو غفلت بہت رہی۔ احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ جب سے اچھا ہوا ہوں۔ سید صاحب نہیں آئے۔ تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے اور جہاں سڑکیں نکلیں، جتنی گرد اڑی اس کو آپ نے از راہ محبت آنکھوں میں جگہ دی۔ بہ ہر حال اچھے ہو جاؤ اور جلد آؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کا خط آیا تھا۔۔ میں نے میرن صاحب کی آزرگی کے خوف سے اس کا جواب نہیں لکھا۔ یہ رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا تا کہ میر سرفراز حسین صاحب اپنے خط کی رسید سے مطلع ہو جائیں اور میرن صاحب میرے پاس الفت پر اطلاع پائیں۔

چہار شنبہ ۶۔ جون ۱۸۶۰ء

---

۱؎ خطوط غالب مرتبہ مہیش داس میں ہے: ڈیڑھ سو عملہ قعلہ کے نذر ہوئے۔ (ص ۲۶۳) ۲؎ مجموعہ مہیش داس میں کرامت کی جگہ معجزہ ہے۔

## (۲۸)

میاں!

تمہارے خط کا جواب مختصر تین باتوں پر ہے ۔ دو باتوں کا جواب لکھتا ہوں۔تیسری بات کا جواب تم بتاؤ کہ تمہیں کیا لکھوں؟ پہلی بات: میاں محمد افضل تصویر لے گئے ۔اب وہ تصویر کھینچا کریں اور تم انتظار۔ دوسری بات میر نصیر الدین آئے اور تینوں صاحبوں کا جیند کے جانے کا حال مفصل معلوم ہوا۔حق تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے ۔تیسری بات ،میرن صاحبہ کو، جب تک تم کہو، میں دلی میں نہ بلاؤں۔ گویا ان کے عاشق تمہیں ہو، میں نہیں بھائی ، ہوش میں آؤ غور کرو ۔ یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ انکو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر زیادہ نہ ہو تو تیس روپے مہینا مقرر کروں کہ بھائی یہ لو اور روپیہ اور چاوڑی اور اجمیری دروازے کا بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوران خاں کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ اے میر مہدی تو درماندہ و عاجز پانی پت میں پڑا رہے ۔میرن صاحب وہاں پڑے ہوے دلی دیکھنے کو ترسا کریں۔سرفراز حسین نوکری ڈھونڈتا پھرے اور میں ان غمہاے جانگداز کی تاب لاؤں۔مقدر ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا۔

اللہ! اللہ! اللہ!

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

سہ شنبہ ۴۔ جمادی الثانی (۱۲۷۷ء) ۱۸۔

دسمبر (۱۸۶۰ء) غالب

## (۲۹)

میاں!

تمہاری تحریر کا جواب یہ ہے کہ وہ تصویر میں نے میاں محمد افضل کو دی تھی، انھوں نے واپس کر دی اور اس کی نقل کے باب میں یہ کہا کہ ابھی تیار نہیں ہے۔ جب وہ تیار ہو جائے گی۔ ان کو روپیہ دیکر لے لوں گا۔ خاطر جمع رکھو۔

پنس سراسر سب کو ششماہی ملنے کا حکم ہو گیا۔ ہر مہینے میں سودی لو رکھاؤ۔ کشمیری کٹرا بگڑا گیا ہے۔ ہائے وہ اونچے اونچے اور وہ بڑی کوٹھڑیاں دور یہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ہو ماہی۔ آہنی سڑک کا آنا اور اس کی رہگذر کا صاف ہونا ہنوز ملتوی ہے۔ چار دن سے پروا ہوا چلتی ہے۔ ابر آتے ہیں مگر صاف چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ مینہ نہیں برستا، گیہوں چنا رباجز اتینوں اناج ایک بھاؤ میں نو سیر ساڑھے نو سیر۔

میر سرفراز حسین اور میر ن صاحب کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا کہ جلد میں ہیں یا یہاں ہیں۔ میر نصیر الدین دو بار میرے پاس آئے۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ۔ وہ کہاں ہیں۔ قاسم علی خاں قطب الاقطاب ایک دن کہتے تھے کہ میر احمد صاحب کے قبائل یہاں آئے ہوئے ہیں۔ آخر وہ شادی، بھئی! کب ہونے والی ہے او رکہاں ہونے والی ہے۔ اس خط کا جواب لکھو۔ سب حالات مفصل لکھو۔

صبح چہار شنبہ، نہم جنوری ۱۸۶۱ء

غالب

---

ایہاں سب نے بھی پڑھا ہے۔ لیکن بھی کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ اصلی لفظ بھی ہے۔

لو صاحب،

یہ تماشا دیکھو۔ میں تو تم سے پوچھتا ہوں کہ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کہاں ہیں۔ حالانکہ میر نصیر الدین شہر میں ہیں اور مجھ سے نہیں ملتے۔ میر سرفراز حسین آئے ہیں اور میرے ہاں نہیں اترے۔ لاحول ولاقوۃ اترنا کیسا۔ ملنے کو بھی نہیں آئے۔ افسوس ہے جن کو اپنا سمجھتا ہوں۔ وہ مجھ کو بیگانہ جانتے ہیں۔ اب تم یہ پوچھو کہ نصیر الدین کا دلی میں ہونا اور مجتہد العصر کا یہاں آنا تو نے کیونکر جانا؟

بھائی، آج جمعہ کا دن ہے ۲۸ جمادی الثانی کی اور ۱۱، جنوری کی، صبح کے وقت، منہ اندھیرے اسی وقت میری آنکھ کھلی تھی۔ لحاف میں لپیٹا ہوا پڑا تھا۔ کہ ناگاہ میر نصیر الدین صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ اب میں جاتا ہوں۔ اور میر حسین صاحب بھی جاتے ہیں۔ میں سمجھا سرفراز حسین۔ جب بعد تکرار معلوم ہوا۔ تو میر حسن جے پور سے آئے اور خدا جانے کہاں اترے اور اب کہاں جاتے ہیں۔ ہے ہے! مجھے غیر سمجھا یا مرا ہوا سمجھا کہ میرے ہاں نہ آئے اور مجھ سے نہ ملے۔ اپنی سسرال میں رہے اور میکے کو چھوڑا۔ واللہ میرا جی انکے دیکھنے کو بہت چاہتا تھا۔ اب اٹھا ہوں۔ سردی رفع ہو لے۔ دھوپ نکل لے۔ آغا جان کے ہاں آدمی بھیجتا ہوں۔ میں کم بخت یہ بھی تو نہیں جانتا کہ آغا جان کہاں رہتے ہیں۔ اب میرا احمد علی کی بی بی پاس، حبش خاں کے پھاٹک، آدمی بھیجوں گا۔ جب آغا جان کے گھر کا پتا معلوم ہو جائیگا۔ اور آدمی دیکھ آئے گا اور یہ بھی معلوم کر آئے گا میر حسن

صاحب ہیں تو میں سوار ہو کر جاؤں گا۔ اور ان سے ملوں گا تم اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے چچا کے یہاں آنے کا منشا اور اس کا حال لکھو۔ تصویر کا حال آگے لکھ چکا ہوں۔ خاطر جمع رکھو۔ مجتہد العصر، اور میرن صاحب کا حال لکھو۔

صبح جمعہ۔ ۱۱، جنوری ۱۸۶۱ء

نجات کا طالب غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۳۱)

جان غالب،

تمہارا خط پہنچا۔غزل اصلاح کے بعد پہنچی ہے:

ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے [۱]

مصرع بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہوگیا۔

اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی: [۲]

---

[۱] کچھ نہیں کہا جا سکتا، اصل مصرع کیا تھا۔ دیوان مجروح میں یہ شعر یوں ہے:

نہیں لیتا ہوں فرط رشک سے نام

ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

[۲] ایک نسخہ، اے میر صاحب تمہیں:

میاں یہ اہل دلی کی زباں ہے [۱]

ارے اب اہل دہلی ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی[۲] یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ان مین سےتو کس زبان کی تعریف کرتا ہے۔لکھنو کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ریاست تو جاتی رہی۔باقی ہرفن کے کامل لوگ موجود ہیں۔

خس کی ٹٹی، پروا ہوا اب کہاں وہ لطف تو اسی مکان میں تھا۔اے میر خیراتی وہ جہت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔بہ ہر حال مے گزرو۔ مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہوگیا۔لال ڈگی کے کنویں یک قلم کھاری ہوگئے۔خیر کھاری ہی پانی پیتے،گرم پانی نکلتا ہے۔پرسوں میں سوار ہوکر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا

۔جامع مسجد ہوتا ہوا راج گھاٹ کے دروازے کو چلا۔مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک، بے مبالغہ ایک صحرا دق ہے۔اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں۔وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جاے۔یاد کرو،مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کوئی بانس نشیب تھا۔وہ اب باغیچے کے صحن کے برابر ہو گیا۔یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں۔باقی سب اٹ گیا۔کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو۔اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازے سے کابلی دروازے تک میدان ہو گیا۔پنجابی کٹرا۔دھوبی واڑا۔رام جی گنج،سعادت خاں کا کٹرا۔جرنیل کی بی بی کی حویلی رام جی داس گودام والے کے مکانات صاحب رام کا باغ،حویلی ان میں سے کسی کا پتا نہیں ملتا۔قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔اب جو کنویں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔

اللہ اللہ،دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔واہ رے حسن اعتقاد۔ارے بندہ خدا،اردو بازار نہ رہا۔اردو کہاں۔دلی واللہ اب شہر نہیں ہے۔کمپ ہے۔چھاؤنی ہے۔نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر،

الور کا حال کچھ اور ہے مجھے اور انقلاب سے کیا کام،الگزنڈر ہدر لے کا کوئی خط نہیں آیا۔ظاہراً انکی مصاحبت نہیں۔ورنہ مجھ کو ضرور خط لکھتا رہتا۔میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور نصیر الدین کو دعا۔

(۱۸۶۰ء)

---

[1] مجروح کے دیوان میں ایسا کوئی شعر نہیں۔غزل کا مقطع یوں یوں ہے:

سخن گو، یوں تو اک عالم ہے مجروح

۲.خاکی سے مراد غالبا فوجی ہیں۔جن کی وردی خاکی تھی ۔۳.یہ اس آبادی کے انہدام کی کیفیت ہے جو جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان تھی ۔اس میں صرف شیخ کلیم اللہ کا مزار باقی رہ گیا۔۴.یہ اس آبادی کی سرگزشت ہے جو جمنا کے پل سے شروع ہوتی تھی ۔اب اس کی جگہ سٹیشن اور لائنیں ہیں۔۵اس کا باپ فرانسیسی تھا جس نے ہندوستانی عورت سے شادی کر لی تھی ۔ہدرے اردو کا بڑا اچھا شاعر تھا۔ زین العابدین خاں عارف سے تلمذ تھا ۔مستقل تخلص آزاد تھا۔لیکن کبھی کبھی الگ بھی تخلص کرتا تھا جو الیگزینڈر کا مخفف تھا۔تیس برس کی عمر میں فوت ہوا۔اس کا دیوان، اس کے چھوٹے بھائی، ٹامس ہدرلے نے ۱۸۶۳ء میں بہ مقام آگرہ چھپوایا تھا۔

## (۳۲)

اور میاں سید زادہ، آزاد، دلی کے عاشق دلدادہ، ڈھے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے، حسد سے لکھنو کو برا کہنے والے، نہ دل میں مہر و آرزم، نہ آنکھ میں حیا و شرم، نظام الدین ممنون! کہاں! ذوق کہاں! مومن خاں کہاں! ایک آرزدہ سو خاموش، دوسرا غالب، وہ بیخودہ مدہوش، نہ سخنوری رہی۔ نہ سخندانی کس برتے پر تتا پانی۔ ہائے دلی! وائے دلی! بھاڑ میں جائے دلی۔

سنو صاحب، پانی پت کے رئیسوں میں ایک شخص ہیں احمد حسین خاں ولد سردار خاں ولد دلاور خاں اور نانا اس احمد حسین خاں کے غلام حسین خاں ولد صاحب خاں، اس شخص کا حال از روئے تحقیق مشرح و مفصل لکھو۔ قوم کیا ہے؟ معاش کیا ہے؟ طریق کیا ہے؟ احمد حسین خاں کی عمر کیا ہے؟ لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے۔ طبیعت کا کیا ڈھنگ ہے؟ بھائی خوب چھان کر لکھو اور جلد لکھو۔

پنجشنبہ ۲۳۔ مئی ۱۸۶۱ء

## (۳۳)

اے جناب میرن صاحب، السلام علیکم!

حضرت آداب!

کہو صاحب، آج اجازت ہے، میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کی؟

''حضور میں کیا منع کرتا ہوں؟ میں نے عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا ہے، صرف پیچش باقی ہے۔ وہ بھی رفع ہو جائے گی۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں۔ پھر آپ کیوں تکلیف کریں؟''

''نہیں میرن صاحب! اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔''

''حضرت، وہ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ سے خفا کیا ہوں گے؟''

''بھائی، آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو۔''

''سبحان اللہ، اے لو حضرت، آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔''

''اچھا، تم باز نہیں رکھتے، مگر یہ کہ تم نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں؟''

کیا عرض کروں، سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور خط اٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جاوے۔ میں پنجشنبہ کو روانا ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھیے گا۔

میاں، بیٹھو، ہوش کی خبر لو۔ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ۔ میں بوڑھا آدمی۔ بھولا آدمی، تمہاری خبر شتاب لکھو۔ پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ بڑی بات ہے کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔ تمہارا پرہیز اگر ہوگا بھی تو عصمت بی بی از بے چادری ہوگا۔

حالات یہاں کے مفصل میرن صاحب کی زبانی معلوم ہوں گے۔ دیکھو۔ بیٹھے ہیں۔ کیا جانوں۔ حکیم میر اشرف علی میں اور ان میں کچھ کونسل تو ہو رہی ہے۔ پنجشنبہ روانگی کا دن ٹھہرا تو ہے۔ اگر چل نکلیں اور پہنچ جائیں تو ان سے یہ پوچھو کہ جناب ملکہ انگلستان کی سالگرہ کی روشنی کی محفل میں تمہاری کیا گت ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم کر لیجیو کہ جو فارسی مثل مشہور ہے کہ ''دفتر را گاؤ خورد، اس کے معنی کیا ہیں؟ پوچھیو اور نہ چھوڑیو جب تک یہ نہ بتائیں۔

اس وقت پہلے تو آندھی چلی۔ پھر مینہ آیا۔ اب مینہ برس رہا ہے۔ میں خط لکھ چکا ہوں۔ سرنامہ لکھ کر چھوڑوں گا۔ جب ترشح موقوف ہو جائے گا تو کلیان ڈاک کو لے جائیگا۔ میر سرفراز حسین کو دعا پہنچے۔ اللہ اللہ! تم پانی پت کے سلطان العماء اور مجتہد العصر بن گئے۔ کہو وہاں کے لوگ تمہیں قبلہ وہ کعبہ کہنے لگے یا نہیں؟ میر نصیر الدین کو دعا کہنا۔

(مئی ۱۸۶۱ء)

## (۳۴)

برخوردار،

تمہارا خط آیا۔ حال معلوم ہوا۔ میں اس خیال میں تھا کہ الور کا کچھ حال معلوم کرلوں اور کپتان الگزنڈر کا خط آئے اور میں اس کو میر سرفراز حسین کے مقدمے میں لکھوں۔ تو اس وقت تمہارے خط کا جواب لکھوں۔ چونکہ آج تک انکا خط نہ آیا۔ میں سوچا اگر اسی انتظار میں رہوں گا اور خط کا جواب نہ بھیجوں گا تو میرا پیارا مہدی خفا ہوگا۔ ناچار جو کچھ الور کا حال سنا ہے وہ اور کچھ اپنا حال لکھتا ہوں۔

ہرچند میں نے دریافت کرنا چاہا۔ حکیم محمود علی خاں کا وہاں پہنچنا اور یہ کہ وہاں پہنچنے کے بعد کیا طور قرار پایا۔ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ صرف خبر واحد ہے کہ ان کو راؤ راجا نے صاحب ایجنٹ سے اجازت لیکر بلا لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ صاحب ایجنٹ الور نے راجا کے بالغ اور عاقل ہونے کی رپورٹ صدر کو بھیجی ہے۔ کیا عجب ہے کہ ان کا راج انکو مل جائے۔

مولانا غالب علیہ الرحمتہ ان دنوں میں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی اور اسی قدر عجم کی ایک جلد بوستان خیال کی آ گئی۔ سترہ بوتلیں بادہ ناب کی تو شک خانہ میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں، رات بھر شراب پیا کرتے ہیں۔

کسے کیں مراوش میسر بود
اگر جم نہ باشد سکندر بود

میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور میر نصیر الدین کو دعائیں اور دیدار کی آرزوئیں۔

## (۳۵)

میاں،

کس حال میں کس خیال میں ہو، کل شام کو میرن صاحب روانہ ہوئے۔ یہاں انکی سسرال میں قصے کیا کیا نہ ہوے۔ ساس اور سالیوں نے اور بی بی نے آنسوؤ کے دریا بہادیے۔ خوشدامن صاحبہ بلائیں لیتی ہیں۔ سالیاں کھڑی ہوئی دعائیں دیتی ہیں۔ بی بی مانند صورت دیوار چپ، جی چاہتا ہے۔ چیخنے کو مگر ناچار چپ، وہ تو غنیمت تھا کہ شہر ویران، نہ کوئی جان نہ پہچان ورنہ ہمسایے میں قیامت برپا ہو جاتی۔ ہر ایک نیک بخت اپنے گھر سے دوڑی آئی۔ امام ضامن علیہ السلام کا روپیہ بازو پر باندھا۔ گیارہ روپے خرچ راہ دیے۔ مگر ایسا جانتا ہوں کہ میرن صاحب اپنے جد کی نیاز کا روپیہ راہ ہی میں اپنے بازو پر سے کھول لیں گے اور تم سے صرف پانچ روپے ظاہر کریں گے۔ اب سچ جھوٹ تم پر کھل جائے گا۔ دیکھنا، کہ یہی ہوگا کہ میرن صاحب بات تم سے چھپائیں گے۔ اس سے بڑھ کر ایک بات اور ہے اور وہ محل غور ہے۔ ساس غریب نے بہت سی جلیبیاں اور تو دہ قلاقند ساتھ کر دیا ہے اور میرن صاحب نے اپنے جی میں یہ ارادہ کیا ہے کہ جلیبیاں راہ میں چٹ کریں گے اور قلاقند تمہاری نذر کر کر تم پر احسان دھریں گے۔ بھائی میں دلی سے آیا ہوں اور قلاقند تمہارے واسطے لایا ہوں۔ زنہار نہ باور کیجیو۔ مال مفت سمجھ کر لے لیجیو۔ کون گیا ہے؟ کون لایا ہے؟ کلوایا زکے سر پر قرآن رکھو۔ کلیان کے ہاتھ میں گنگا جلی دو۔ بلکہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ ان تینوں میں سے کوئی نہیں لایا۔ واللہ

میرن صاحب نے کسی سے نہیں منگایا اور سنو، مولوی مظہر علی صاحب لاہوری دروازہ کے باہر صدر بازار تک ان کے پہنچانے کو گئے رسم مشایعت عمل میں آئی۔ اب کہو بھائی کون برا اور کون اچھا ہے؟ میرن صاحب کی نازک مزاجیوں نے کھیل بگاڑ رکھا ہے۔ یہ لوگ تو ان پر اپنی جان نثار کرتے ہیں۔ عورتیں صدقے جاتی ہیں۔ مرد پیار کرتے ہیں۔

مجتہد العصر سلطان العلماء مولوی سرفراز حسین کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ حضرت ہم تم کو دعا کہیں اور تم ہم کو دعا دو۔ میاں کس قصے میں پھنسا ہے؟ فقہ پڑھ کر کیا کرے گا۔ طب و نجوم و ہیت و منطق و فلسفہ پڑھ۔ جو آدمی بنا چاہے۔ خدا کے بعد نبی ﷺ اور نبی ﷺ کے بعد امام، یہی ہے مذہب حق، والسلام والاکرام، علی، علی کیا کر فارغ البال رہا کر۔

مئی ۱۸۶۱ء

---

۱ مجموعہ خطوط غالب میں اس خط کو دسمبر ۱۸۶۲ء کا قرار دیا گیا ہے۔ جو حقیقتاً غلط ہے اس لیے کہ اس میں کپتان الگزنڈر رہدرلے کے خط کا انتظار مذکور ہے۔ اور الیگزینڈر رہدرلے ۷، جولائی ۱۸۶۱ء کو فوت ہوا جیسا کہ مجموعہ مذکور کے خط نمبر ۳۵ سے ظاہر ہے۔ زیر غور خط لازماً جولائی ۱۸۶۱ء سے پیشتر کا ہے۔

## (۳۶)

سید صاحب،

کل پہر دن رہے تمہارا خط پہنچا۔ یقین ہے کہ اسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا جو کچھ ہے۔ ان کی زبانی سن لوگے۔ میں کیا لکھوں؟ میں نے جو کچھ سنا ہے۔ انھیں سے سنا ہے۔ ان کا اس طرح ناکام پھر آنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میرے عقیدے اور میرے تصور کے مطابق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہاں کچھ نہ ہوگا۔ سو روپے کی زیر باری ناحق ہوئی چونکہ یہ زیر باری میرے بھروسے پر ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی۔[۱] میں نے اس چھیاسٹھ برس کی عمر میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں۔ جہاں ہزار داغ ہیں۔ ایک ہزار ایک سہی۔ میر سرفراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے۔

وبا کو کیا پوچھتے ہو۔ قدر انداز قضا کے ترکش میں یہ بھی ایک تیر باقی تھا۔ قتل ایسا عام، لوٹ ایسی سخت، کال ایسا پڑا، وبا کیوں نہ ہو؟ لسان الغیب[۲] نے دس برس پہلے فرمایا تھا:

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

میاں ۱۲۷۷ء کی بات غلط نہ تھی۔ میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسر شان تھی۔ بعد رفع فساد ہوا سمجھ لیا جائیگا[۳]۔

کلیات اردو[۴] کا چھاپا تمام ہوا۔ اغلب ہے کہ اسی ہفتے میں، غایت اسی مہینے میں ایک نسخہ بسبیل ڈاک تم کو پہنچ جائے گا۔

کلیات نظر فارسی کے چھاپنے کی بھی تدبیر ہو رہی ہے۔ اگر ڈول بندھ گیا تو وہ بھی چھاپا جائے گا۔ قاطع برہان کے خاتمے میں کچھ فوائد بڑھا دیے گئے ہیں۔ اگر مقدور مساعدت کرے گا تو میں بے شرکت غیر اس کو چھپواؤں گا۔ مگر یہ خیال محال ہے

[۱] غالب نے سرفراز حسین اور میر ن کو رام پور بھیجا تھا۔ وہاں ملازمت کی کوئی صورت بہ بنی۔ ان فقروں میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ [۲] لفظی معنی ''غیب کی زبان'' یہ خواجہ حافظ کا لقب ہے اس لیے کہ ان کے دیوان سے لوگ فال نکالتے ہیں اور اسے درست سمجھتے ہیں یہاں میرزا کا اشارہ خود اپنی طرف ہے۔ [۳] غالب نے ایک قطعہ کہا تھا:

من کہ باشم کہ جاودوں باشم
چوں نظیری نہ ماند و طالب مرد
در بہ پرسند در کدا میں سال
مرد غالب؟ بگو کہ ''غالب مرد''

اس سے ۱۲۷۷ء نکلتے تھے اور غالب نے دوستوں کو لکھا تھا کہ میں ۱۲۷۷ء میں مر جاؤں گا۔ یہ پیش گوئی غلط ثابت ہوئی تو اب نکتہ نوازی کر رہے ہیں۔ ۱۲۷۷ء میں اس لیے نہ مرا کہ وبا پھیل گئی اور اس میں میرا مرنا باعث کسر شان تھا۔ وبا ہیضے کی تھی، اس لیے اسے فساد ہوا سے تعبیر کیا۔ [۴] اس سے مراد دیوان اردو ہے۔ جسے غالبا اس لیے کلیات کہا کہ اس میں قصائد قطعات، رباعیات اور مثنوی بھی شامل ہے۔

میرے مقدور کی تیاری کا حال، مجتہد العصر کو معلوم ہے۔ واللہ علی کل شیی قدیر، خدا کا بندہ ہوں۔ علیؑ کا غلام میرا خدا کریم، میرا خداوند سخی۔

علی دارم، چہ غم دارم ؟''

وبا کی آنچ مدھم ہوگئی ہے۔ پان سات بڑا زور شور رہا۔ پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان مع اپنی بی بی بچوں کے دلی میں آیا۔ کل رات کو اس کا نو برس کا لڑکا ہیضہ کر کے مر گیا۔ انا اللہ الیہ راجعون۔ الور میں بھی وبا ہے۔ الگزنڈر ریڈرلے مشتہر بہ الک صاحب مر گیا۔ واقعی بے تکلف وہ میرا عزیز اور ترقی خواہ اور راج اور مجھ میں متوسط تھا۔ اس جرم میں ماخوذ ہو کر مرا۔ خیر، یہ عالم اسباب ہے۔ اس کے حالات سے ہم کو کیا؟

جولائی ۱۸۶۱ء (محرم ۱۲۷۸ھ)

(۳۷)

بھائی،

تم سچ کہتے ہو:

بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگزرد

لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ یہ زیر باری میری تحریر کے بھروسے پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح یہ آئے ہیں اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے۔ لیکن واللہ میرے عقیدے اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں یہی سمجھا تھا کہ البتہ یوں ہی ہوگا۔

دیوان اردو چھپ چکا ہے۔ ہائے لکھنو کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا، اس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اور اس کے پانی پر اور اس کے چھاپے پر لعنت! صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے۔ ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں کاپی نگار اور تھا۔ متوسط جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے، حق التصنیف ایک مجھ کو ملا۔ غور کرتا ہوں تو وہ الفاظ جوں کے توں ہیں۔ یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا۔ وہ چھپا۔ بہ ہر حال خوش و ناخوش کئی جلدیں مول لوں گا۔ اگر خدا چاہے تو اسی ہفتے میں تین مجلد اصحاب ثلثہ[۲] کے پاس پہنچ جائیں، نہ میں خوش ہوا ہوں۔ نہ تم خوش ہوگے۔

اور یہ جو لکھتے ہو کہ یہاں خریدار ہیں۔ قیمت لکھ بھیجو۔ میں دلال نہیں۔ سوداگر نہیں۔ مہتمم مطبع نہیں۔ مطبع احمدی کے مالک محمد حسین خاں۔ مہتمم مرزا امو جان۔

مطبع شاہد رہ میں۔محمد حسین خاں دلی شہر، رائے مان کے کوچے میں، مصوروں کی حویلی کے پاس۔ قیمت چھ آنے۔محصول ڈاک خریدار کے ذمے۔ طالبان کتاب کو اطلاع دو۔دو، چار، دس، پانچ جلدیں جس کو منگانی ہوں۔محمد حسین خاں کے نام پر، دلی رائے مان کے کوچے، مصوروں کی حویلی کا پتا لکھ کر ڈاک میں بھجوا دو۔ کتاب ڈاک میں پہنچ جائے گی۔ قیمت چاہو نقد، چاہو ٹکٹ ارسال کر دو۔مجھ کو اور تم کو کیا؟ اس کا جواب یہ دے دوں۔

وبا تھی کہاں، جو میں لکھوں کہ اب کم ہے یا زیادہ؟ ایک چھیاسٹھ برس کا مرد۲، ایک چونسٹھ برس کی عورت۳۔ان دونوں میں سے ایک مرتا تو ہم جانتے کہ ہاں وبا آئی تھی۔تف بریں وبا! پنجشنبہ ۸ ماہ، اگست کی۔قمری کے مہینے کا حال کچھ معلوم نہیں۔کل شام کو دو مونڈھے رکھ کر گئی۔آدمی دیکھا کیے۔ہلال نظر نہیں آیا۔

(۸ اگست ۱۸۶۱ء)

نجاب کا طالب

غالب

---

۱؎ اشارہ میر سرفراز حسین کی طرف ہے۔۲؎ میر مہدی مجروح، میرن اور سرفراز حسین

## (۳۸)

ہاں صاحب، تم کیا چاہتے ہو؟ مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا ۔ اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافے کو کریدا کرو۔ مسودے کو بار بار دیکھا کرو۔ پاؤ گے کیا؟ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں۔ یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے، خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازمہ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔''

کیوں، سچ کہیو۔ اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی یا اور، ہاے، کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھوں، بے نور ہے، ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو، تم جانتے ہو، ہم زندہ ہیں۔ امر ضروری لکھ لیا، زوائد کو اوروقت پر موقوف رکھا اور اگر تمہاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مسودے کے ساتھ لکھی تھی۔ اب لکھ بھیجی۔ قصور معاف کرو۔ خفا نہ ہو۔

میر نصیر الدین ایک بار آئے تھے۔ پھر نہ آئے۔ فارسی نئی میں نے کہاں لکھی کہ تمہارے چچا کو یا تم کو بھیج دوں؟ نواب فیض محمد خاں ہے کے بھائی حسن علی خاں مر

گئے۔ حامد[5] علی خاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپے کی ڈگری بادشاہ پر ہو گئی۔ کلو داروغہ بیمار ہو گیا تھا۔ آج اس نے غسل صحت کیا۔ باقر علی خاں کو مہینے بھر سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں۔ شہر چپ چاپ، نہ کہیں پھاوڑا بجتا ہے۔ نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے۔ نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر، شہر خاموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ گیا ورنہ تمہارے دل کی خوشی کے واسطے اور لکھتا۔

یک شنبہ ۲۲۔ ستمبر ۱۸۶۱ء

---

[1] لطف کی بات یہ ہے کہ دلالی اور سوداگری سے انکار بھی کیا اور پوری کیفیت بھی لکھ دی۔ [2] غالب [3] بیگم غالب۔ [4] والی جھجر [5] اعتماد الدولہ میر فضل علی کے داماد۔ دہلی کے آخر دور کے مشہور امیر اور غالب کے عزیز دوست، لکھنو سے دہلی آئے تھے تو اپنا روپیہ شاہی خزانے میں داخل کر دیا تھا۔ ڈگری کا تعلق غالباً اسی روپیہ کے کسی حصہ سے تھا۔

## (۳۹)

صاحب، آج تمہارا خط دوپہر کو آیا۔ اس میں میں نے مسودہ تاریخ کا پایا۔ قلمدان میں رکھ لیا۔ میر سرفراز حسین کو بھیج دیا۔ کل وہ کہتے تھے کہ انتیس روپے کو تین گاڑیاں مقرر ہو گئی ہیں۔ میں کل شام کو سوار ہو جاؤں گا۔ اب اس وقت جو میں خط لکھ رہا ہوں۔ پہر دن باقی ہے۔ لکھ کر کھلا رکھ چھوڑوں گا۔ شام کو، مجتہد العصر، میر ے گھر ضرور آئیں گے۔ اگر آج جائیں گے تو واسطے تو دیع کے اور اگر نہ جائیں گے تو موافق معمول کے آئیں گے۔ ان کے جانے نہ جانے کا حال صبح اسی ورق پر لکھ کر۔ بند کر کے بھیج دوں گا۔ خدا کرے اردو کی نثر کا لفافہ انھوں نے ڈاک میں بھیج دیا ہو۔ شام کو مجھے دے جائیں تو میں کل اس خط کا ساتھ اسے بھی بھجوا دوں۔

مہاراج! اگر دورے کو گئے تو کیا اندیشہ ہے؟ گرمی کا موسم ہے۔ لمبا چوڑا سفر کریں گے۔ آٹھ سات، دن میں پھر آئیں گے۔ یہاں کی تلاش کا نتیجہ دیکھو۔ تب کہیں جائیو۔

میرن صاحب کی تمہاری چو ما چاٹی کے لکھنے کا مجھ میں دم نہیں۔ تم جانو وہ جانیں۔ کلیات۲ کے چھاپے کی حقیقت سنو۔ ساٹھ صفحے چھاپے گئے تھے کہ مولوی ہادی علی مصحح بیمار ہو گئے۔ کاپی نگار رخصتی اپنے گھر گیا۔ اب دیکھیے کب چھاپا شروع ہو۔ قاطع برہان کا چھاپا ختم ہوا۔ ایک جلد بطریق نمونہ آ گئی۔ میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے دے رکھی ہے۔ اب پچاس روپے بھیجوں تو انچاس جلدیں منگواؤں۔ دیکھیے نو من تیل کب میسر ہو اور رادھا کب ناچے۔

میاں، کل شام کو میر سرفراز حسین میرے گھر نہیں آئے یا تو الور کو، مجھ سے بغیر رخصت ہوے۔ گئے یا نہیں گئے میں تو آج جمعہ ۱۶ مئی صبح کے وقت یہ خط ڈاک میں بھیجتا ہوں۔[۳]

۱۵۔مئی (۱۸۶۲ء)

نجات کا طالب، غالب

۱۵۔ذی قعدہ (۱۲۷۸ھ)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سید صاحب،

اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے کہ بعد القاب کے شکوہ شروع کر دینا اور میرن صاحب کو اپنا ہم زبان کر لینا۔ میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ انکو پیار کرتا ہوں۔ علی کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں۔ اس میں تم بھی آ گئے۔ کمال یہ کہ میرن صاحب سے محبت قدیم ہے۔ دوست ہوں، عاشق زار نہیں۔ بندہ مہر و فا ہوں۔ گرفتار نہیں۔ تمہارے بھائی نے سخت مشوش بلکہ نعل در آتش کر رکھا ہے۔ ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ بعد محرم کے میں بھی آؤں گا۔ میں نے سلام رہنے دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں بھیجوں۔ وہ آئیں گے تو یہیں ان کو دوں گا۔ محرم تمام ہوا۔ آج سہ شنبہ غرہ صفر ہے۔ حضرت کا پتا نہیں۔ ظاہر برسات نے نہ آنے دیا۔

---

[۱] مہاراجہ الور۔ کلیات نظم فارسی ۳۱۔ اس خط کے آغاز میں تاریخ یوں درج ہے۔ پنجشنبہ ۱۵۔ ذی قعدہ و مئی باہم یعنی ذی قعدہ ۱۲۷۸ء اور مئی ۱۸۶۲ء دونوں کی ۱۵۔ تاریخ تھی۔ آخری سطروں میں مرقوم ہے: آج جمعہ ۱۶۔ مئی صبح کے وقت، اصل خط ۱۵ ہی کو لکھا تھا۔ آخری سطریں دوسرے دن جمعہ کو لکھیں۔

---

برسات کا نام آ گیا۔ سو پہلے مجملا سنو۔ ایک غدر کالوں کا۔ ایک ہنگامہ گوروں کا۔ ایک فتنہ انہدام مکانات کا۔ ایک آفت وبا کی۔ ایک مصیبت کال کی۔ اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر

آ جاتا ہے۔ جس طرح بجلی جاتی ہے۔ رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں چوروں کی بن آئی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر کی چوری کا حال نہ سنا جائے۔ مبالغہ نہ سمجھنا۔ ہزار ہا مکان گر گئے۔ سیکڑوں آدمی جا بجا دب کر مر گئے۔ گلی گلی ندی بہہ رہی ہے قصہ مختصر، وہ اکال تھا کہ مینہ نہ برسا، اناج نہ پیدا ہوا۔ یہ پن کال ہے۔ پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہہ گئے۔ جنھوں نے ابھی نہیں بویا تھا۔ وہ بونے سے رہ گئے۔ سن لیا دلی کا حال، اس کے سوا کوئی نئی بات نہیں۔ جناب میر ن کو دعا۔ زیادہ کیا لکھوں؟

سہ شنبہ یکم صفر (۱۲۷۹ء)

۲۹۔ جولائی (۱۸۶۲ء)

غالب

برخوردار نورچشم میر مہدی کو بعد دعاے حیات وصحت کے معلوم ہوا۔ بھائی، تم نے بخار کو کیوں آنے دیا؟ تپ کو کیوں چڑھنے دیا؟ کیا بخار میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا جو تم مانع نہ آئے۔ کیا تپ ابن بن کر آئی تھی۔ جو اسکو روکتے ہوئے شرمائے۔ حکیم اشرف علی ابھی آ گئے ہیں۔ کہتے تھے کہ میں نے نسخہ لکھ کر آج ڈاک میں بھیج دیا ہے۔ چونکہ یہ خط بھی آج روانہ ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ دونوں خط ایک دن بلکہ ایک وقت پہنچیں۔ دل تمہارے واسطے کڑھتا ہے۔ حق تعالی تم کو جلد شفا دے اور تمہاری تندرستی کی خبر مجھ کو سنائے۔

سنو میاں سرفراز حسین، ہزار برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا۔ وہ بھی اس طرح کہ جیسا جلال اسیر کہتا ہے:

بہ غیر در شکر آب است روبما دارو

پڑھتا ہوں اس خط کو اور ڈھونڈتا ہوں کہ میرے واسطے کون سی بات ہے۔ مجھ کو کیا پیام ہے، کچھ نہیں شاید دوسرے صفحے میں کچھ ہو۔ ادھر خاتمہ بالخیر ہے۔ یا رب سرنامہ میرے نام کا، آغاز تحریر میں القاب میرا۔ پھر سارے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا، یہ کیا سیر ہے؟ میں ایسے خط کا جواب کیوں لکھوں؟ میری بلا لکھے۔ اب جو تم خط لکھو گے اور اس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم نہ کرو گے اور میرن صاحب کا نام اور ان کے لیے سلام تک بھی اس میں نہ ہوگا، تو میں اس کا جواب آنکھوں سے لکھوں گا۔

اور ہاں میاں پھر تم نے میر اشرف علی کو کیا لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ چچا نے اس کا مرنا سنا ہوگا؟ ۳؎ اس غریب کا قول یہ ہے کہ میری دونوں بہنیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں۔ کیا چچا کو نہ معلوم ہوگ کہ کون سی لڑکی مری؟ کاش اس کے باپ کا نام لکھتے تا کہ میں جانتا کہ کون سی بھانجی مری ہے۔ اب میں کس کا نام لے کر روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں؟ اس امر میں حق بجانب اس مظلوم کے ہے۔ توضیح بقید نام لکھو۔

---

۱؎ یہ مضمون نظیری کے ایک شعر میں بھی بندھا ہے۔ آفتاب امروز چوں برق از دیار ما گزشت۔ ۲؎ میاں سرفراز حسین سے یہاں تک مخاطب سرفراز حسین ہے ۳؎ اس کا بظاہر مبہم ہے۔ لیکن خواندہ کتاب کے لیے نہ کہ مکتوب الیہ (میر مہدی) کے لیے۔ آگے مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی میر اشرف علی کے چچا نے کسی بھانجی کی وفات کا ذکر سنا اور لکھ دیا، مگر یہ نہ بتایا کہ میر اشرف کی پانچ بھانجیوں میں سے کون سی مری۔ ۱؎ غالب و مسلط۔

(۴۲)

واہ حضرت،

کیا خط لکھا ہے؟ اس خرافات کے لکھنے کا فائدہ، بات اتنی ہے کہ میرا پلنگ مجھ کو ملا۔ میر بچھونا مجھ کو ملا، میر احجام مجھ کو ملا۔ میر ابیت الخلا مجھ کو ملا۔ رات کا وہ شور۔ کوئی آئیو۔ فرد ہو گیا۔ میری جان بچی، میرے آدمیوں کی جان بچی:

اکنون شب من شب است و روزم روز است

بھئی، تم نے یہ دیکھا کہ میرن صاحب کو میرا خط پہنچایا نہ پہنچا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ نہیں پہنچا۔ اگر پہنچتا تو بے شک تمہاری نظر سے گزرتا اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور اس صورت میں یہ بھی ضرور تھا کہ تم اس واہیات کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب میں اور تم میں پیش آئی۔ پس اگر، جیسا کہ میرا گمان ہے۔ خط نہیں پہنچا تو خیر جانے دو۔ اگر خط پہنچا ہے تو میرن صاحب کے خط کا جواب لکھوانے میں تم نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا۔ اب ان سے میرے خط کے جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے؟

حسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں۔ جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم ان سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو۔ میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے؟ نہ صاحب یہ کچھ بات نہیں۔ میرے خط کا جواب ان سے لکھوا کر بھجواؤ۔

یہاں کا حال وہ ہے جو دیکھ گئے ہو۔ پانی گرم، ہوا گرم۔ تپیس مستولی!، اناج مہنگا۔ بیچارہ منشی میر احمد حسین کا بھتیجا، میر امداد علی آشوب کا بیٹا۔ میر محمد شب گزشتہ کو

گزر گیا۔ آج صبح اس کو دفن کر آئے۔ جوان، صالح پرہیز گار مومنین کا پیش نماز تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

''مجتہد العصر'' کا حکم بجالاؤں گا اور نہ رئیس کو بلکہ مدار المہام ریاست کو لکھوں گا۔ رئیس میرے سوال کے جواب کو قلم انداز کر جائے گا اور مدار المہام امر واقعی لکھ کر بھیجے گا۔ مجتہد العصر کو دعا کہنا اور یہ خط پڑھا دینا۔

میرن صاحب کو دعا کہنا اور کہنا کہ بھلا صاحب تم نے ہمارے خط کا جواب کیوں نہیں لکھا؟ ہم بھی تمہاری طرز کا اتباع کریں گے۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا اور کہنا کہ اگر تم میں ان میں راہ و رسم تعزیت و تہنیت ہو تو میر احمد حسین کو خط لکھو اور یہ بھی ان کو معلوم ہو کہ حفیظ یہاں آیا ہوا ہے۔ قبائل تمہارے یہیں ہیں۔ اگر وہاں کچھ رسائی حاصل ہو تو خیر، ورنہ یہاں کیوں نہ چلے آؤ۔

میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جان
کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکان

برسات کا حال نہ پوچھو۔ خدا کا قہر ہے۔ قاسم خاں کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں۔ عالم بیگ خاں کے کٹرے کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا۔ گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنی ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے۔ کتابیں، قلمدان سب توشے خانے میں، فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا۔ کہیں چلمچی دھری ہوئی۔ خط لکھوں کہاں بیٹھ کر، پانچ چار دن سے فرصت ہے۔ مالک مکان کو فکر مرمت ہے۔ آج ایک امن کی صورت نظر آئی،

کہا کہ آ ؤمیر مہدی کے خط کا جواب لکھیں۔

الور کی خوشی ، راہ کی محنت کشی ۔تپ کی حرارت ،گرمی کی شرارت یاس کا عالم ،کثرت ،اندوہ غم ، حال کی فکر، مستقبل کا خیال ۔تباہی کا رنج۔آوارگی کا ملال۔ جو کچھ کہو وہ کم ہے ۔بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہے ۔سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملے گا۔مگر وہ اختیار ایسا ہوگا۔جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے ۔سب کچھ اپنے قبضہ قدرت میں رکھا۔آدمی کو بدنام کیا ہے ۔

بارے رفع مرض کا حال لکھو ،خدا کرے ،تپ جاتی رہی ہو۔تندرستی حاصل ہوگئی ہو۔میر صاحب کہتے ہیں:

''تندرستی ہزار نعمت ہے۔''

ہائے ۔پیش مصرع قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے ! مجھ کو پسند آیا ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک

تندرستی ہزار نعمت ہے

مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب کو دعا۔ ہاہاہا، میر افضل علی کہاں ہیں؟ حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی نہیں ہے ۔لکھنو کے مجتہد العصر کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا جے پور کے مجتہد العصر کے بھائی میرن صاحب کیوں نہ کہلائیں ۔ ہاں بھائی میرن صاحب بھلا ان کو ہماری دعا کہنا۔

جمعہ ۲۶۔ستمبر ۱۸۶۲ء

غالب

میری جان،

خط نہ بھیجو اور میرے خط کا انتظار کرو۔ اس کی وجہ میں نہیں سمجھا۔ تمہارا خط آئے اور میں جواب نہ لکھوں تو گنہ گار۔ نواب یوسف علی خاں ناظم کا دیوان میرے پاس کہاں؟ نواب صاحب نے بہ سبیل ارمغاں مجھے ایک ورق بھی نہیں بھیجا یہاں کچھ نسخے بکتے آ گئے تھے۔ میں نے ایک مول لے کر نواب مصطفیٰ خاں کو جہانگیر آباد بھیجا تھا۔ اب محمد بخش اور پیر جی سے کہہ دوں گا۔ اگر کسی نے لا دیا تو ایک جلد سرفراز حسین کو بھیج دوں گا۔

توقع نوکری کا حال مجھ کو مفصل معلوم ہے۔ یہ بھی بادشاہی تنخواہ ہوئی کہ روپیہ دے کر مول اور کہیں کہ ہم نے نذرانہ دیا ہے۔ بہ شرط نوکری ہو جائے کے برس چھ مہینے تک اپنا دیا ہوا روپیہ مسترد کرنا ہوگا۔ نوکری مفت میں ملا۔

مقدر مذکر اور تقدیر مونث ہے۔ کون کہے فلانے کی مقدار اچھی ہے۔ کون کہے گاڑھ کمکے کا تقدیر کا برا ہے۔ یہ مسئلہ صاف ہے مذہب نہیں۔ کوئی بھی مقدر کو مونث نہ کہتا ہوگا۔ تم کو تردد کیوں ہوا؟

جواں مرد۔ جواں ہمت۔ جواں دولت، جواں عمر جواں سال، جواں خرد، جواں مرگ یہ الفاظ مقررہ اہل زباں ہیں۔ کبھی مقلوب و معکوس نہیں آتے۔

اودھ اخبار میں بادشاہ کے مرنے کی خبر لکھی دیکھی۔ مگر پھر کہیں سے تصدیق نہیں ہوئی۔ نرندر سنگھ راجہ پٹیالہ بے تکلف مر گیا۔ مسجد جامع کی واگزاشت کی خبر

مشہور ہے۔ اگر سچ ہو جائے تو کیا دور ہے۔ شاہ اودھ کی املاک کی واگزاشت کی خبر مشہور ہے۔

لو کہو۔ اب اور کیا لکھوں؟ سر راہ کی منڈیر کے پاس جو تخت بچھا ہے۔ اس پر بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔ بس اب یہ لکھنا باقی ہے کہ مجتہد العصر کو دعا اور میر افضل علی صاحب کو دعائیں۔

صبح پنجشنبہ ۲۷۔ جمادی الاول (۱۲۷۹ھ)

غالب

مطابق ۲۰ نومبر سال حال (۱۸۶۲ء)

---

ل والی رام پور

جویائے حال دہلی والو رسلام لو!

مسجد جامع واگزاشت ہوگئی ۳؎۔ چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنالیں۔ انڈا مرغی کبوتر پکنے لگا۔ عشرہ مبشرہ دس آدمی ٹھہرے۔ مرزا الٰہی بخش ۴؎۔ مولوی صدرالدین ۵؎۔ تفضّل حسین خاں۔ تین یہ سات اور۔

---

۱؎ کارکنان قلعہ معلّٰی نے آخری دور میں یہ دستور ٹھہرالیا تھا کہ نذرانے کے نام سے رقمیں لے کر نوکریاں دیتے اور جب تک نذرانے کی رقم پوری نہ ہوجاتی۔ نوکری مفت میں دینی پڑتی تھی۔ جن لوگوں کی تنخواہیں کئی کئی مہینوں کی چڑھ جاتیں۔ انھیں مجموعی واجب الادا رقم کا ایک حصہ دے کر پوری رقم کی رسید لے لی جاتی تھی۔ ۲؎ ابو ظفر بہادر شاہ ثانی۔ ۳؎ یعنی دہلی کی جامع مسجد۔ جس پر انگریزوں نے غدر کے بعد قبضہ کرلیا تھا۔ پہلے یہ تجویز پیش ہوئی تھی کہ اسے ڈھایا جائے۔ پھر اسے فوجی قبضہ میں لے لیا گیا۔ ۱۸۲۱ء میں ایک انتظامی کونسل بنا کر مسجد واگزار کی گئی۔ ۴؎ میرزا الٰہی بخش شاہی خاندان میں سے تھا۔ غدر میں انگریزوں کا معاون رہا۔ بہادر شاہ کو جنرل بخت خاں کے ساتھ جانے سیاسی نے روکا تھا۔ ۵؎ مفتی صدرالدین خاں آزردہ جو غدر سے پہلے صدرالصدور تھے۔ آخری دور کے عظیم المرتبت عالم اور خوش ذوق شاعر تھے۔

---

۷۔ نومبر ۱۴ جمادی الاول سال حال (۱۲۷۹ھ۔ ۱۸۶۲ء) جمعہ کے دن ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ

راجعون۔

جاڑا پڑ رہا ہے۔ ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے۔ کل سے رات کو نری انگیٹھی پر گزارا ہے۔ بوتل گلاس موقوف۔

راجا پٹیالہ مر گیا۔ مہندر سنگھ۔ اس کے خلف پر خطاب فرزندی اور القاب بحال و برقرار رہا۔ بالفعل دیوان نہال چند کام کر رہا ہے۔ ظاہرا جو رنگ اس ریاست کا ہونے والا ہے۔ وہ نواب گورنر جنرل کے آنے پر کھلے گا اور وہ فروری مہینے میں یہاں آئیں گے۔

الور کی ریاست کا حال بدستور ہے۔ گورنر صاحب ہی انھیں اختیارات دیں گے۔ یعنی پٹیالہ اور الور کے راج کا انتظام اسی وقت پر ہوگا۔ بالفعل اپنے ایجنٹ صاحب، الور دلی ہوتے ہوئے میرٹھ گئے ہیں۔ راجا صاحب تجارہ[۲] تک ان کی مشایعت کو گئے۔ یہاں اپنے صاحب سے کوئی صاحب سنگھ ٹھیکہ دار کی سڑک کا ہے۔ اس نے کچھ کہا تھا۔ جواب دیا کہ الور کے مقدمات میں پنچوں کو اختیار ہے۔ ہم کچھ حکم نہ دیں گے۔ اسفندیار بیگ[۳] متوفی کا کوئی متبنی مستدعی پرورش ہوا۔ اس کو بھی یہی جواب ملا۔ اب بولو۔ کیا لکھوں؟

دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ یوسف علی خاں اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں۔ کھانا تیار ہے، خط لکھ کر۔ بند کر آدمی کو دوں گا اور گھر جاؤں گا۔ وہاں ایک دالان دھوپ آتی ہے۔ اس میں بیٹھوں گا۔ ہاتھ منہ دھوؤں گا۔ ایک روٹی کا پھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا۔ بیسن سے ہاتھ دھوؤں گا۔ باہر آؤں گا۔ پھر اس کے کے بعد خدا جانے کون آئے گا۔ کیا صحبت ہوگی۔

مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب اور ذاکر الحسین میر افضل علی عرف میرن صاحب کو دعا۔

منگل کا دن ۲۳۔ جمادی الثانی ۱۶۔ دسمبر پہر دن چڑھے۔

(۱۲۷۹ء۔۱۸۶۲ء)

غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

برخوردار۔

تمہارا خط پہنچا۔ مگر یہ غضب ہے کہ میں اس کا جواب نہیں لکھ سکتا اور وہ جواب طلب ہے۔ جواب کیا لکھوں؟ قواعد عملداری کے برہم ہو گئے۔ نئے نئے دستور ہیں۔ شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب آتے ہیں۔ فروری کو انبالہ پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہوگی۔ اب یہ آواز بلند ہے کہ فروری میں کلکتہ سے چلیں گے۔ بنارس، الہ آباد ہوتے

۱؎ یہ سر ایجا اپے کا پوتا تھا۔ وہی سر ایجا اپے جس نے وارن ہیسٹنگز کے عہد میں نند کمار کو پھانسی کا حکم دیا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں الور کا پولیٹکل ایجنٹ مقرر رہا۔ ۱۸۶۳ء میں لارڈ لارنس کا سیکرٹری بنا۔ اودے پور، جودھ پور، گوالیار میں بھی رہا۔ آخر کار نیپال میں ریذیڈنٹ بن گیا۔ ۱۹۰۴ء میں فوت ہوا۔ ۲؎ ریاست الور۔ ۳؎ یہ الور میں دیوان بن گیا تھا۔

ہوئے مارچ کو انبالہ پہنچیں گے۔ الور، جے پور، کوٹہ یہ تین راجے آگرہ پہنچ گئے۔ وہاں میر فرش کی طرح بے کار دھرے ہوئے ہیں۔ الور کے راجا گویا یوسف ہیں۔ ان کے خریدار دوڑتے پھرتے ہیں۔ کوئی شکرم، کوئی کرانچی ڈھونڈ رہا ہے۔ کوئی پیادہ چل نکلا۔ کسی نے مانگے کا ٹٹو بہم پہنچایا۔ یہ سب قصے یک طرف۔ اب سنتا ہوں کہ راجستان کے ایجنٹ نے سب رئیسوں کو لکھا ہے کہ لارڈ صاحب تمہیں بلاتے ہیں۔ جس کا جی چاہے آوے۔ جس کا جی چاہے نہ آوے۔ اس تحریر کو دیکھ

کر، جو وعدہ گاہ پر جا پہنچے۔ وہ پشیمان ہیں۔ جو راہ میں ہیں وہ وہیں ٹھک رہے ہیں۔ نہ آگے بڑھتے ہیں۔ نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جو اپنے مقام سے نہ ہلے تھے ۔وہ اچھے رہے۔

یہاں دو تین مہاوٹیں برس گئی ہیں۔ گیہوں۔ چنا اچھا ہوگا۔ ربیع کی امید پڑی:

افق ہا پراز ابر بہمن مہی

سفالینہ جام من ازمے تہی

سیدھے ہاتھ پر ایک زخم، بائیں بازو پر ایک گھاؤ۔ سیدھی ران پر ایک پھوڑا۔ یہ حال میرا۔ باقی خیر و عافیت میر سرفراز حسین اور میر ن صاحب کو دعا پہنچے۔

۱۸۶۳ء

غالب

(۴۶)

نورِ چشم میر مہدی کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ کلیات فارسی کا پہنچنا مجھ کو معلوم ہوا۔ میاں، اس میں اغلاط بہت ہیں۔ مبارک ہو تمھیں اور میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور بھائی۔ خدا کرے، مجھ کو بھی۔ لو صاحب ایجنٹ بہادر راجستان کا حکم الور کے ایجنٹ کو آیا کہ تم پہلی ستمبر کو راج کے کاغذ، جو تمہارے پاس ہیں اور راج کا اسباب جو تمہارے تحت میں ہے وہ سب راجا صاحب کو دو اور تم الگ ہو جاؤ۔ ستمبر کی بیسویں کو ہم الور جائیں گے، راجا صاحب کو مسند پر بٹھائیں گے خلعت شاہی انھیں پہنائیں گے:

ستمبر ستم برد آورد داد

شنبہ ۲۲۔ اگست ۱۸۲۳ء

غالب

آیئے جناب میر مہدی صاحب دہلوی، بہت دنوں میں آئے، کہاں تھے؟ رنگ کیسا ہے۔ جب یہ نہ بتا سکو گے تو جانو گے کہ قسم جسم و جسمانیات میں سے نہیں۔ ایک اعتبار محض ہے۔ وجود اس کا صرف تعقل میں ہے۔ سیمرغ کا سا اس کا وجود ہے۔ یعنی کہنے کو ہے۔ دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم آپ اپنی قسم ہو گئے۔ تو گویا اس صورت میں ہمارا ہونا، ہمارے نہ ہونے کی دلیل ہے ۱۲

میخوا ہم از خدا و نمی خواہم از خدا

دیدن حبیب را و نہ دیدن رقیب را

''لف ونشر، مرتب ہے۔ میخوا ہم از خدا۔ دیدن حبیب را نمی خواہم از خدا۔ نہ دیدن رقیب را۔

خوار و زار و خستہ و سوگورا۔ معنی تو اس کے موجود ہیں۔ مگر بول چال ٹکسال سے باہر ہے۔ ایک جملے کا جملہ مقدر چھوڑ دیا ہے۔ اور اس بھونڈی طرح سے کہ جس کو المعنی فی بطن الشاعر کہتے ہیں۔ یہ شعر اساتذہ مسلم الثبوت میں سے کسی کا نہیں ہے۔ کوئی صاحب ہوں گے انھوں نے لوگوں کے حیران کرنے کے واسطے یہ شعر کہہ دیا اور کسی استاد کا نام لے دیا کہ یہ ان کا ہے۔

تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جس پر حکم کیا جائے۔ جو جس کے کانوں کو لگے۔ جس کو جس کا دل قبول کر لے۔ اس طرح کہے۔ رتھ میرے نزدیک مذکر ہے۔ یعنی رتھ آیا۔ لیکن جمع میں کیا کروں گا۔ ناچار مونث بولنا پڑے گا۔ یعنی

رتھیں آئیں ۔خبر مونث ہے ۔ بہ اتفاق ۔مگر کاغذ اخبار ۔اس کو خود سمجھ لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ہے ۔ میں تو مذکر کہوں گا ۔یعنی اخبار آیا ۔پیر ہوئی یا ہوا؟ ہم کیوں بولیں گے ۔بلبل میرے نزدیک مونث ہے جمع اس کی بلبلیں طوطی بولتا ہے ۔بلبل بولتی ہے ۔

بھائی ، اس امر میں مفتی و مجتہد بن نہیں سکتا ۔ اپنی عندیہ لکھتا ہوں ۔ جو چاہے مانے ۔جو نہ چاہے نہ مانے ۱۲

سہ شنبہ ۸ ۔دسمبر ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب ، غالب

برخوردار کامگار، میر مہدی دہلوی اردو بازار کے مولوی۔ صاحب لوائے ولائے مرتضوی، پرعلم عباسؑ ابن علیؑ کا سایہ۔ راجا صاحب[۱] کے سلوک کا حال ہم پہلے ہی سن چکے تھے۔ الحمدللہ علی کل حال۔ دیکھیے۔ اب معاودت کب کرتے ہیں۔ موافق اپنے وعدے کے ہم کو کیوں کر طلب کرتے ہیں۔ کلکتہ جاتے وقت فرماتے ہیں کہ میں آ کر اسداللہ کو بلاؤں گا۔ البتہ اگر وہ بلائیں گے تو میں کیوں کر نہ جاؤں گا۔ ظاہر ہمارے تمہارے واسطے زمانہ انتہائے مصیبت اور وقت پیش آمد دولت[۲] ہے۔ اب مجھ کو میرن صاحب کی خوشامد کرنی پڑے گی۔ وہ مقرب نہیں گے۔ اگر میری قسمت لڑے گی تو کامیابی کا سامان کر رکھنا۔ میرن صاحب کو مجھ پر مہربان کر رکھنا۔ بھائی، یہ جو میرن یا امیرن صاحب ہیں۔ حضور کے بڑے مصاحب ہیں۔ جس گروہ میں سے جس کو چاہیں حضور سے ملوا دیں۔ فرقہ شعرا میں سے جس کو جو کچھ چاہیں دلوا دیں۔ ان کو اور مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔

نجات کا طالب

، غالب

---

[۱] راجہ شیو دھیان سنگھ جنہیں شیو دان بھی لکھتے ہیں۔ والی الور۔ [۲] مطلب یہ کہ مصیبتوں کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور دولت ملنے والی ہے میرزا کی خوش فہمی ملاحظہ جو کہ ذرا سا سہارا ملتے ہی توقعات کی ایک دنیا قائم کر لیتے ہیں۔

میری جان،

وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ و جمشید کیخسرہ کے عہد میں مروج تھی۔ اس میں خر بہ کانے مضموم، نور قاہر کو کہتے ہیں اور چونکہ پارسیوں کی دیدہ دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہے۔ اس واسطے آفتاب کو خولکھا اور شید کا لفظ بڑھا دیا۔ شید بہ شین مکسور و یائے معروف بروزن عید، روشنی کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ اوس نور قاہر ایزدی، کی روشنی ہے۔ خر اور خورشید یہ دونوں اسم، آفتاب کے ٹھہرے۔ جب عرب و عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ وہ منبع علوم ہوے۔ واسطے رفع التباس کے خر، میں واو معدولہ بڑھا کر۔ خور لکھنا شروع کیا۔ ہر آئینہ متاخرین نے اس قاعدے کو پسند کیا اور منظور کیا اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت مستحسن ہے۔ فقیر خر جہاں بے اضافہ لفظ شید۔ لکھتا ہے۔ موافق قانون عظماے عرب بہ واؤ معدولہ لکھتا ہے۔ یعنی خور، اور جہاں بہ اضافہ لفظ شید لکھتا ہے وہاں۔ پیروی بزرگان پارس سر بسر لفظ، خور کو بے واؤ لکھتا ہے۔ یعنی، خور اور جہاں بہ اضافہ لفظ شید لکھتا ہے وہاں۔ پیروی بزرگان پارس سر بسر لفظ، خور کو بے داؤ لکھتا ہے۔ یعنی خرشید خر کا قافیہ۔ در اور بر کے ساتھ جائز اور روا ہے۔ خود میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔ وہاں میں بے داؤ کیوں لکھوں؟ رہا خورشید چاہو بے داؤ لکھو، چاہو مع الواؤ لکھو۔ میں بے داؤ لکھتا ہوں مگر مع الواؤ کو غلط نہیں جانتا اور خر کو کبھی بے داؤ نہ لکھوں گا، قافیہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی نظم میں، وسط شعر میں آ پڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو۔

خور لکھوں گا۔ یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جس طرح خرترجمہ قاہر کا ہے اسی طرح جم ترجمہ قادر کا ہے کہ بہ اضافہ لفظ شہید، اسم شہنشاہِ وقت قرار پایا ہے۔

مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا پہنچے۔ سچ کہیے۔ تمہیں وہاں کوئی مجتہد العصر، نہ کہتا ہوگا۔ نہ کہو، تم کو کیا؟ میں نے تم نے مان لیا۔ اب کوئی کہے یا نہ کہے۔ میاں بدرالدین سے ایک مہر کھدوا دوں گا۔

جناب مجتہد العصر سرفراز حسین

بس، تم یہ مہر خطوں پر، محضروں پر، تمسکوں پر، کرنی شروع کرنا۔ سب کے سب تم کو مجتہد العصر کہنے لگیں گے۔

حکیم میر اشرف علی کو اور ان کے فرزند کو دعا پہنچے۔

میرن صاحب کو دعا پہنچے۔ بھائی میران، اب وہ خس کا پردہ کھول ڈالا۔ صافیاں جھجر پر لپیٹتا ہوں۔ دم بہ دم بھگوتا ہوں۔ وہ لو کہاں جو پردے سے لپٹ کر صافی کو لگے آ کر اور پانی کو ٹھنڈا کرے؟ وہ پانی جو میر مہدی اور تم اور حکیم جی پیا کیے ہو۔ اب کہاں، برف پندرہ دن کی اور باقی ہے۔ آیندہ خدا رازق ہے۔

## (۵۰)

قرۃ العین میر مہدی و میر سرفراز حسین، مجھ سے ناخوش اور گلہ مند ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ دیکھو ہمیں خط نہیں لکھتا:

ہم بھی منہ میں زباں رکھتے ہیں
کاش پوچھو کہ ماجرا کیا ہے

ماجرا یہ ہے کہ تمہارا ابھی تو کوئی خط نہیں آیا۔ جس کا جواب لکھتا۔ میرن صاحب سے تمہاری خیر و عافیت پوچھنی اور کہہ دینا کہ میری دعا لکھ بھیجنا۔ بس، اب اتنا ہی دم باقی ہے۔ کل میرن صاحب آئے۔ پوچھا کہ الور سے کوئی خط آیا؟ فرمایا: اس ہفتے میں کوئی خط میں نے نہیں پایا۔ کیا کہوں کہ حال ہے؟ پیش ازیں اپنا یہ شعر پڑھا کرتا تھا:

پا ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

اب اس زمزمے کا بھی محل نہ رہا۔ یعنی سعی بے حاصل کی لذت خاک میں مل گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شنبہ ۱۸۔ شعبان ۱۲۸۱ھ مرگ ناگاہ
طالب، غالب
۱۷، جنوری ۱۸۶۵ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# مجتہد العصر میر سرفراز حسین

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۱)

نورِ چشم، راحت جان، میر سرفراز حسین جیتے رہو، تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا۔ جو بوے پیرہن نے یعقوبؑ کے ساتھ کیا۔ میاں، یہ ہم تو بوڑھے ہیں یا جوان ہیں۔ توانا ہیں یا ناتواناں ہیں، بڑے بیش قیمت ہیں۔ یعنی بہ ہرحال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے:

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے۔ وہ یوسف میرزا آئے، وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خاں آئے۔ میر ہوؤں کا نام نہیں لیا۔ بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے ہیں۔ اللہ، اللہ، اللہ، ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں۔ میں مروں گا تو مجھ کو کون روئے گا، سنو غالب، رونا پیٹنا کیا۔ کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔ کہو میر سرفراز حسین سے کہ یہ خط میر مہدی کو پڑھواؤ اور میرن صاحب کو بلاؤ۔ کل شام کو یا پرسوں شام کو میر اشرف علی صاحب میرے پاس آئے تھے۔ کہتے تھے کہ کل پرسوں پانی پت کو جاؤں گا۔ میں نے ان کی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے۔ اگر بھول نہ جائیں گے۔ پہنچائیں گے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ صاحب ابن نہیں ہے۔ نہ ہو غلام اشرف نہیں ہے، نہ ہو، اگر منظور کیجئے تو میں صوفی ہوں۔ ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ بموجب مصرع:

دل بدست آور کہ حج اکبر است

تم سے کب انکار کرتا ہوں۔ اگر مرزا گوہر کی جگہ مانو، تو خوش، اگر غلام اشرف مانو، تو راضی، رات کو اپنے گھر میں باتیں بناؤ۔ دن کو مجھ سے جی بہلاؤ۔ قصہ مختصر آؤ اور جلدی آؤ۔

سید، الور کا جو حال لکھتے ہو۔ وہ سچ ہے۔ راجپوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے ہیں۔ کچھ دن جاتے ہیں کہ یہ لوگ پھر وہاں آتے ہیں[1]۔ کیا مجمع برہم ہوا ہے، مجھ کو کیسا غم ہوا ہے۔ تم اس جرگے سے جدا ہو تم کو کیا اندیشہ ہے۔ میر قربان علی صاحب جیسا لکھیں۔ ویسا کرو۔ میر مہدی صاحب سارا خط پڑھ کر کہیں گے مجھ کو دعا بھی نہ لکھی۔ بھائی، میری دعا پہنچے۔ میر نصیر الدین ایک دن میرے ہاں آئے تھے۔ اب میں نہیں جانتا یہاں ہیں یا وہاں۔ ہوں تو دعا کہنا۔ میرن صاحب کے نام تو اتنا کچھ پیام ہے۔ دعا اسلام کی حاجت کیا۔ دیکھو ہم اپنا نام نہیں لکھتے۔ بھلا دیکھیں تو سہی تم جان جاتے ہو کہ یہ کس کا خط ہے؟

---

[1] دیوان غالب میں ماجرا، کی جگہ مدعا ہے

## (۲)

میری جان کے چین، مجتہد العصر میر سرفراز حسین!

تم کو اور تمہارے بھائی کو اور تمہارے دوست کو دعا اور پھر یہ بیان کہ غدر سے پہلے ہر دربار خلعت پاتا تھا۔ بعد غدر دربار اور خلعت اور ملاقات سکوتروں کی۔ یہ سب موقوف۔ اب جو لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے۔ تو انھوں نے خود مجھے بلا بھیجا اور خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم اپنی طرف سے از راہ محبت دیتے ہیں اور یہ نوید علاوہ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں بھی دربار اور خلعت کھل گیا۔ انبالہ جاؤ گے تو پاؤ گے۔ میں انبالہ نہ جا سکا۔ بالفعل نواب گورنر کے خلعت پر قناعت کی۔ اس خلعت کو بشرط حیات اور وقت پر موقوف رکھا۔

ہملٹن صاحب الور میں آ گئے۔ راجا صاحب دربار روز کرتے ہیں۔ اہل اغراض کے عرائض جو حضور میں گزرتے ہیں، وہ حضور پنجوں کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ خریطہ یعنی حکم اختیار پانے کا ابھی نہیں آیا۔ یقین ہے کہ لارڈ صاحب بعد اختتام سفر جب شملہ پہنچیں گے۔ تو خریطہ جاری ہوگا۔ آج جمعہ ساتویں شوال کی اور ستائیسویں مارچ کی ہے۔ چار گھڑی دن چڑھا ہے۔ میں یہ خط لکھ کر بھیجتا ہوں۔ تم بھی پڑھو اور میر مہدی کو بھی پڑھا دو۔ اب شاید تھوڑے دنوں تک میں خط نہ لکھ سکوں۔ تفصیل اس کی یہ کہ جب رجب کے مہینے میں سیدھے ہاتھ پر ایک پھنسی ہوئی۔ پھنسی پھوڑا ہو گئی۔ پھوڑا پھوٹ کر زخم بنا زخم بگڑ کر غار ہو گیا۔ اب بقدر ایک کف دست وہ گوشت مردار ہو گیا۔ انبالہ نہ جانے کی بھی یہی وجہ ہوئی۔ دو

ہفتے سے انگریزی علاج ہوتا ہے۔ کالا ڈاکٹر روز آتا ہے۔ آج اس نے ارادہ اس مردار گوشت کے کاٹنے کا کیا ہے۔ اب وہ آتا ہوگا۔ جلد جلد یہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ تا کہ پھر ہاتھ کے پرزے اڑا دوں۔

۷ شوال (۱۲۷۹ھ)

مطابق ۲۷۔ مارچ ۱۸۶۳ء)

نجات کا طالب، غالب

---

إ مطلب یہ کہ راجا شیو دھیان سنگھ مسلمانوں کو بہت چاہتے تھے۔ مہاراجہ کے ہم قوم راجپوت مسلمانوں کو نکالنے پر تلے بیٹھے تھے۔ آخر ایک ہنگامہ بپا کیا اور سب کو نکال دیا۔

---

# میر افضل علی عرف میرن صاحب

## (۱)

سعادت و اقبال نشان، میر افضل علی صاحب المعروف بہ میرن صاحب!

خدا تم کو سلامت رکھے اور پھر تمہاری صورت مجھ کو دکھا دے۔ تمہارا خط پہنچا۔ آنکھوں سے لگایا۔ آنکھوں میں نور آیا۔ دل پر رکھا، مزا پایا۔ کل تک اس نام کو سن کر شرماتے تھے۔ اور آپ ہی آپ گھلے جاتے تھے۔ اب بن بن کر باتیں بناتے ہو اور ہم کو کڑیاں سناتے ہو۔ کاش کہ تم یہاں آ جاؤ تب اس تحریر کا مزا پاؤ۔ میری مہدی صاحب وہ تحریر تمہاری بہ نسبت میرے دیکھ کر بہت خفا ہوئے۔ چنانچہ اب جو تمہاری ان کی ملاقات ہوگی تو تم کو معلوم ہوگا۔

بھائی، تمہارے سالے بہت غرور کے پتلے ہیں۔ وہ ایک بار میں نے ان کو بلایا۔ انھوں نے کرم نہ فرمایا۔ تم سچ کہتے ہو۔ یہ لوگ اور ہی آب و گل کے ہیں تمہاری اور ان کی کبھی نہ بنے گی اور گہری نہ چھنے گی۔ وہیں بیٹھے رہو۔ دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ یہ رنج و عذاب کا زمانہ جلد گزرتا ہے۔

میر سرفراز حسین کو میری دعا کہنا اور کہنا، بھائی وہ زمانہ آیا ہے کہ سیکڑوں عزیز راہی ملک عدم ہوے۔ سیکڑوں ایسے مفقود الخبر ہو گئے کہ ان کے مرگ و زیست کی خبر نہیں۔ دو چار جو باقی رہے ہیں۔ خدا جانے کہاں بستے ہیں کہ ہم ان کے دیکھنے کو ترستے ہیں۔ میر نصیر الدین کو پہلے بندگی، پھر دعا۔

دوشنبہ ۹۔ نومبر ۱۸۵۸ء بین الظہر والعصر (بحوالہ امیر مہدی اطالعمرہ،)

نجات کا طالب

غالب

## (۲)

برخوردار کامگار میر افضل علی عرف میرن صاحب طال اللہ العمرہ،

بعد دعا کے واضح رائے سعادت انتمائے ہو۔ آپ کا خط پہنچا۔ اگر چہ میں نے صرف پڑھا۔ میر مہدی کے جلانے کو لکھتا ہوں کہ میں نے آنکھوں سے لگایا۔ ہاں صاحب، تم نے جو لکھا ہے کہ قبلہ و کعبہ کہنے سے وہ صاحب بہت خوش ہوتے ہیں، کیوں نہ خوش ہوں؟ خوشی کی بات ہے۔ تمہارے سر کی قسم، میں گویا دیکھ رہا ہوں اور میری نظر میں پھر رہا ہے، وہ میر سرفراز حسین کا شرما کر آنکھیں نیچی کرنا اور مسکرانا۔ خدا کبھی مجھ کو بھی وہ صورت دکھائے۔ میر نصیر الدین یہاں آ گئے ہیں۔ تم مجتہد العصر اور حکیم محمد اشرف علی کو میری دعا کہنا اور میر مہدی پوچھیں تو کہنا کہ تم کو کچھ نہیں لکھا۔ کل میں نے خبر منگوائی تھی۔ سولڑکی کو ابھی تپ آئے جاتی ہے۔ یقین ہے کہ تم نے وہاں پہنچ کر مولوی مظہر علی کو خط لکھا ہوگا۔ ہاں تم کو ضرور ہے، ان سے نامہ و پیام کی رسم رکھنی۔ والدعا

چہارشنبہ ششم جولائی ۱۸۵۹ء

غالب

---

۱؎ گویا یہ خط دستی بھیجا گیا تھا۔

## (۳)

میری جان،

تمہارا رقعہ پہنچا۔ نہ کھلا کہ میر سرفراز حسین جے پور کیوں جاتے ہیں؟ بہ ہر حال میر مہدی کو دعا کہنا اور میر سرفراز حسین سے یہ پوچھنا کہ تم جے پور چلے، میں نے تم کو خدا کو سونپا، تم مجھے کس کو سونپ چلے؟

۲، جولائی ۱۸۶۴ء

جواب کا طالب، غالب

---

# خواجہ غلام غوث خاں بے خبر

خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کے اجداد کا وطن جنت نظیر کشمیر تھا۔ کہتے ہیں کہ ان کا سلسلہ نسب سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ ،فرمانروائے کشمیر سے ملتا تھا۔ جب مغل کشمیر کے فرماوا بنے تو خواجہ صاحب کے اجداد کو علم و فضل اور عالی نسبی کی بنا پر عہدہ قضا ملا اور کئی پشتوں تک اس خاندان میں یہ اعزاز قائم رہا۔ مغلوں کے زوال پر کشمیر کا امن وسکون درہم برہم ہوا تو نہ محض وجہ معاش ہی کا معاملہ ضغطے میں پڑ گیا۔ بلکہ اطمینان سے گھر بیٹھے رہنا بھی غیر ممکن ہو گیا۔ اس زمانے میں بے خبر کے دادا خواجہ خیر الدین اپنے مختلف اقربا کے ساتھ کشمیر سے نکل کر پہلے لہاسا تبت پہنچے۔ پھر نیپال میں مقیم ہو گئے۔ بے خبر کے مختلف سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ جب گلاب سنگھ کشمیر پر مسلط ہوا تو اس کے عہد میں عہدہ قضا تخفیف میں آیا۔ اسکے بعد خواجہ خیر الدین وطن سے نکلے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ گلاب سنگھ ۱۸۴۶ء میں کشمیر پر قابض ہوا۔ اس سے چھبیس ستائیس برس پیشتر سکھ کشمیر لے چکے تھے، میرے اندازے کے مطابق ترک وطن کا واقعہ اس سے بھی پہلے کا ہے۔

مہر حال نیپال ہی میں خواجہ خیر الدین کشمیری کے صاحبزادے خواجہ حضور اللہ کی شادی ایک قریبی رشتہ دار خواجہ فرید الدین کی دختر سے ہوئی اور وہیں ۱۲۴۱ء (۱۸۲۴ء) میں خواجہ غلام غوث خاں پیدا ہوئے۔

خواجہ خیر الدین آبائی عہدے کے چھنتے ہی تجارت شروع کر چکے تھے۔ غالبا کاروبار ہی کے سلسلے میں یہ خاندان نیپال سے نکل کر بنارس پہنچا۔ خواجہ غلام غوث

نے بنارس ہی میں تعلیم اور ابتدائی نشو ونما پائی۔

ان کے ماموں سید محمد خاں نے انگریزی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ بعد میں وہ ترقی کرتے کرتے صوبہ غرب وشمال آگرہ جس میں آگے چل کر اودھ شامل ہوا۔ میں لفٹنٹ گورنر کے میر منشی بن گئے اور خان بہادر کا خطاب حاصل کیا چنانچہ خواجہ غلام غوث بھی ۱۸۴۱ء میں جب انکی عمر سولہ برس کی تھی۔ اپنے ماموں کے ماتحت ملازم ہو گئے۔ اور اس تعلق کی وجہ سے انھیں آگرہ میں اقامت اختیار کرنی پڑی۔ جو اس زمانے میں لفٹنٹ گورنر کا صدر مقام تھا۔ لارڈ ایلن برا کے عہد میں گوالیار پر چڑھائی ہوی (۱۸۴۳) تو خواجہ صاحب کو عارضی طور پر گورنر جنرل کے منشی خانے سے منسلک کر دیا گیا۔ مہم کے خاتمے پر خلعت کا اعزاز ملا۔

جب خان بہادر خواجہ سید محمد خان پنشن لے کر ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو ان کے حسن کارکردگی کے صلے میں نیز اعلی صلاحیت کی بنا پر خواجہ غلام غوث کو میر منشی بنا دیا گیا۔ اس عہدے پر وہ ۱۸۸۵ء تک فائز رہے اور خود بہ اصرار درخواست کر کے پنشن لی۔ انگریز چاہتے تھے کہ وہ ملازمت کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ۱۸۴۵ میں خواجہ صاحب کی شادی گوپامئو کے مفتی انعام اللہ خاں صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ پنشن کے بعد آپ الہ آباد میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۱۸۔ شوال المکرّم ۱۳۲۲ھ (مطابق ۲۶۔ دسمبر ۱۹۰۴ء کو رات کے پونے دس بجے فوت ہوئے۔ مندرجہ ذیل تاریخ آپ کے لوح مزار پر کندہ ہے:

آں خواجہ کہ بود بہ نام او غلام غوث
خوش روے و خوش لباس و خوش اندام و خوش سرشت

روشن شد از سواد بیاض صفات او
توقیع وقعتے کہ بہ نامش قضا نوشت
درقیل و قال ہم نفس شاعران فرس
در وجد و حال ہم اثر خواجگان چشت
گوئی بہ رنگ و بوے گل و چوں نسیم صبح
سوے بہشت رفتہ وایں کشت را بہشت
رضوانش دیدہ گفت کہ ایں نور سیدہ کیست؟
گفتند حوریاں جناں خواجہ بہشت''

بے حد خوش اخلاق اور وضعدار بزرگ تھے۔ شمس العلماء مولانا ذکاءاللہ مرحوم کا بیان ہے کہ میں جس زمانے میں الہ آباد میں تھا، روزانہ ملنے کے لیے آتے۔ باوجود کبرسن توانا تندرست، خوش خوراک اور خوش پوشاک تھے۔ ۱۸۷۰ء میں خضاب چھوڑا۔ اتوار کے دن احباب کا مجمع آٹھ نو بجے سے شروع ہوتا۔ سب لوگ خواجہ صاحب کیساتھ کھانا کھاتے۔ دن بھر لطائف اور شعر وسخن کا سلسلہ جاری رہتا۔

میرزا محمد عسکری نے ادبی نکات غالب میں ان کی روزانہ نشست کا حال یوں بیان کیا ہے؟

''خواجہ صاحب نماز عصر سے فراغت کر کے باہر تشریف لاتے تھے۔ میں نے ایسی پابندی وقت اور پابندی وضع کسی دوسرے ہندوستانی میں نہیں دیکھی۔ صحن میں چھڑکاؤ ہو کر کرسیاں، مونڈھے دو رویہ بچھا دیے جاتے تھے

۔صدر میں ایک اونچی کرسی، سامنے ایک چھوٹی سی میز جس پر خاصدان رکھا جاتا تھا، ادھر ادھر دو بڑے گل دان جناب مرحوم پابندی وقت کے ساتھ ہاتھ میں تسبیح لیے محل سرا سے برآمد ہوتے اور اسی صدر کی کرسی پر متمکن ہو جاتے۔ دونوں طرف کرسیوں اور مونڈھوں پر لوگ اپنے اپنے مرتبے، نیز بہ اعتبار اس درجہ ارتباط اور دوستی کے جو خواجہ صاحب کے ساتھ ان کو حاصل ہوتا۔ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ جو شخص ایک مرتبہ کرسی پر بیٹھا ہو۔ وہ دوسرے دن مونڈھے پر یا برعکس اس کے مونڈھے پر بیٹھنے والا کرسی نشینی کی جرات کرے۔"

غرض خواجہ صاحب مشرقی تہذیب کا جامع نمونہ تھے۔ ان کے فارسی نظم ونثر کا مجموعہ "خونابہ جگر" کے نام سے طبع ہوا۔ اردو نظم ونثر کا مجموعہ "فغان بے خبر کے نام سے چھپا۔ وفات کے بعد بقیہ کلام نظم ونثر کا مجموعہ، لعل وگوہر کے نام سے شائع ہوا۔ اردو خطوط نے انشائے بے خبر کا نام پایا۔ عود ہندی کی ترتیب خواجہ صاحب ہی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ بے خبر میرزا غالب کے ان چند دوستوں میں سے تھے۔ جن پر مرحوم کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ اعتماد رہا۔

خواجہ صاحب کے احباب کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی نے انشائے بے خبر کے مقدمے میں ستر سے زیادہ اکابر کی فہرست دی ہے۔ جو خواجہ صاحب کے گہرے دوست تھے۔ ان میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی شامل تھے۔

مرزا حاتم علی بیگ مہر کے ساتھ بھی بھائیوں کے سے تعلقات تھے۔ زمانہ قیام

آگرہ میں ایک مرتبہ خواجہ صاحب بیمار ہو گئے۔ مہر کو اطلاع نہ ملی اور عیادت کے لیے نہ آ سکے۔ تندرستی کے بعد بیماری کی کیفیت معلوم ہوئی تو مندرجہ ذیل قطعہ معذرت بھیجا:

منشی غلام غوث ہیں مشہور بے خبر
ہم سا بھی بے خبر مگر اے مہر کم ہوا
ان کا علیل ہونے کا فصل وبائی میں
مطلق نہ ہم کو علم ، خدا کی قسم ہوا
اب جو سنا تو رنج ہوا، پر یہ شکر ہے
اس سے سوا خوشی ہوئی جتنا کہ غم ہوا
ہاتف نے ایک مصرع تاریخ پڑھ دیا
اچھی طرح سے ہیں، یہ خدا کا کرم ہوا

# (۱)

پیر و مرشد،

یہ خط ہے یا کرامت، صاف صفائے ضمیر و کشف حجب[۱] کی علامت ہے۔ مدعا ضروری التحریر اور اندیشہ نشانِ مسکن دامن گیر۔ اگر یہ خط کل نہ آجاتا تو آج خط کیوں کر لکھا جاتا سبحان اللہ جس دن یہاں مجھ کو وہ مطلب خطیر پیش آیا ہے اسی دن آپ نے وہاں لکھنے کو قلم اٹھایا ہے۔ آپ کو عارف کامل کیونکر نہ لکھوں اور کیا کہوں ولی اگر نہ کہوں مدعا بیان کرتا ہوں۔ مگر یہ گمان کرتا ہوں کہ یہ خط پہنچنے نہ پائے گا کہ رازِ سربستہ آپ پر کھل جائیگا۔ یعنی یک شنبہ ۲۸۔ نومبر کو دو خط اور دو پارسل، ایک میں، دستنبو، کا ایک مجلّہ اور ایک میں تین معاً[۲] بسبیل ڈاک روانہ کر چکا ہوں۔ خطوں کا چوتھے پانچویں دن، پارسلوں کا چھٹے ساتویں دن پہنچنا خیال کرتا ہوں۔ پارسلوں کے عنوان پر خطوں کی معیت رقم کی ہے اور خطوں کے سرنامہ پر پارسلوں کے ارسال کی اطلاع دی ہے۔ تین کتاب والے پارسل اور ایک خط پر جناب سکرتر بہادر کا نام نامی ہے اور ایک کتاب والے پارسل اور ایک خط پر جناب چیف سکرتر بہادر دوم کا اسم سامی ہے۔ آج پانچواں دن ہے۔ خط اگر دونوں پہنچ گئے ہوں تو کیا عجب ہے، بلکہ سچ تو یوں ہے کہ اگر نہ پہنچے ہوں تو بڑا غضب ہے۔ اگلے عرائض کے نہ پہنچنے میں کچھ شک نہیں۔ جواب امر آخری دفتر میں اس کا پتا آج تک نہیں۔ اب کارپردازانِ ڈاک ڈاکو نہ بن جائیں اور میرے ان دونوں خطوں اور پارسلوں کو

بہ احتیاط پہنچائیں۔صرف عنایت اِ کی گنجائش تو آپ جب پائیں کہ وہ خط اور پارسل پہنچ جائیں۔ابھی تو آپ سے مجھ کو ان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا سوال ہے، کس واسطے کہ جب تک آپ مجھ کو اطلاع نہ دیں گے۔انکے نہ پہنچنے کی بھی خبر مجھ تک پہنچنی محال ہے۔ بہ ہر حال یہ نیاز نامہ جس دن پہنچے اس کے دوسرے دن جوان لکھیے۔جیسا میں نے جلد لکھا، ایسا ہی آپ بھی شتاب لکھیے۔آپ کے عنایت نامے میں کوئی امر ایسا نہ تھا کہ جس کا جواب لکھا جائے یا اس باب میں کچھ اور عرض کیا جائے۔لوہارو کی روانگی کا خط آئے گا، لوہارو کو بھیج دیا جائیگا۔جناب منشی نواب جان اور جناب منشی اظہار حسین صاحب ہیں اور آپ مین اگر ربط بے تکلف ہو تو ان دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا اسلام نیاز پہنچانے میں نہ توقف ہو۔۲

تم سلامت رہو قیامت تک

۲ دسمبر ۱۸۵۸ء

## (۲)

قبلہ!

اس نامہ مختصر نے وہ کیا جو پارہ ابر کشتِ خشک سے کرے۔ یعنی خط اور پارسل کا پہنچ جانا ایسا نہیں کہ اس کی خبر پا کر بخت کی رسائی کا سپاس گزار نہ ہوں۔ یہ تو حضرت کو لکھ چکا ہوں کہ دوسرا پارسل اور خط ایک ساتھ بھیجا گیا ہے اور ہرگز نہ توقع کا خیال اسی پارسل پر ہے۔ کس واسطے کہ اس خط میں حاکم اعظم کے نام کی عرضی ملفوف ہے۔ جانتا ہوں کہ محکمہ ایک، ڈاک ایک، دونوں لفافے ایک دن پہنچے ہوں گے۔ مگر دل نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ نہ مانوں گا۔ جب تک کہ حضرت اس سررشتے سے معلوم کر کے نہ لکھیں گے۔ اب آپ جانیے اور یہ دل سودازدہ۔ میں اسکی سفارش کرنے والا اور اس کے مدعا کا گزارش کرنے والا کون؟ ہاں اتنی بات ہے کہ آپ لکھ سکتے ہیں بلکہ یہ بھی آپ مجھ پر حالی کر سکتے ہیں کہ نذر ولایت کی، ولایت کو روانہ ہوئی یا نہیں؟ میری جگر کاوی کی قدردانی ہوئی یا نہیں؟ پیشگاہ سے موافق دستور کے خط کا امیدوار ہوں یا نہیں؟ اپنے حسن طبع کا شکرگزار ہوں یا نہیں؟ اس خط کا جواب جتنا جلد عنایت کیجئے گا، مجھ کو جلا لیجئے گا۔ لوہارو کا خط ایک معتمد کے ہاتھ بھیج دیا گیا،

## (۳)

قبلہ حاجات،

عطوفت نامہ کے آنے سے آپ کا بھی شکر گزار ہوا اور اپنے بخت اور قسمت کو بھی آفرین کہی اور ڈاک کے کار پردازوں کا احسان مانا۔ بارے دونوں پارسل اور دونوں لفافے پہنچ گئے۔

تا نہال دوستی کے بر دہد
حالیا رفتیم و تخمے کا شتیم

یہ کتاب جو مرسل الیہ کے مطالعہ میں ہے۔ پھر بہ نسبت اس دوسری کتاب کے قسمت کی اچھی ہے۔ یعنی خود ملاحظہ فرما رہے ہیں اور اگر کہیں کچھ پوچھنا ہوگا تو یقین ہے کہ آپ سے پوچھیں گے۔ دوسری کتاب دیکھیے مجھ کو کیا دکھائے؟ جن کو اس کے دیکھنے کا حکم ہوا ہے۔ وہ اہل علم و فضل میں سے ہیں۔ لیکن یہ طرز تحریر، میں نہیں کہتا کہ نادر ہے۔ مگر بیگانہ و نا آشنا ہے۔ خدا کرے وہ جو اس کے سر پر مامور ہے ان اوراق ک بمشورت آپ کے دیکھا کریں اور کہیں کہیں آپ سے پوچھ لیا کریں۔ کیوں کر لکھوں نہیں لکھ سکتا۔ تم سب کچھ جانتے ہو، جہاں گنجائش پاؤ گے، جیسا مناسب جانو گے، جو کچھ کر سکو گے، وہ کرو گے۔ لوہارو کا خط بہ کمال احتیاط روانہ ہو گیا۔ خاطر اقدس جمع رہے۔ جواب طلب، زیادہ حد آداب۔

دسمبر ۱۸۵۸ء

---

لے عنایت کرنا بصرفِ کاص مفتوح۔ ۲ے دیکھیے اس تحریر میں خاصا تکلف ہے۔ ۳ے اس سے مقصود دستنبو کا پارسل ہے جسے میرزا انجاح مقاصد مہمہ کی کلید سمجھتے تھے۔

(۴)

جناب عالی

آج دوشنبہ ۳۔ جنوری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہے۔ ترشح ہو رہا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے۔ پینے کو کچھ میسر نہیں اِلّا چار روٹی کھائی ہے:

افق ہا پراز ابر بہمن مہمی

سفالینہ جام من ازمے تہی

غمزدہ دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا۔ سرنامے کو دیکھ کر اس راہ سے کہ دستخط خاص کا لکھا ہوا ہے۔ بہت خوش ہوا۔ خط کو پڑھ کر اس رو سے کہ حصول مدعا کے ذکر پر حاوی نہ تھا۔ افسردگی حاصل ہوئی:

ماخانہ رسیدگان ظلمیم

پیغام خوش از دیار نیست

اس افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں۔ با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھنے لگا۔

پہلے تو یہ سنیے کہ آپ کے دوست کو آپ کا خط پہنچ گیا۔ مگر وہ دربار مجھ کو لکھ چکا ہے۔ کہ میں نے جواب اس کا نشان مرقومہ لفافہ کے مطابق ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔ جواب الجواب کا منتظر ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ مال یاس مقتضی استغنا ہے۔ پس اب اس سے زیادہ یاس کیا ہوگی کہ بامیدہ مرگ جیتا ہوں، اس راہ سے کچھ مستغنی ہوتا چلا ہوں کہ دو ڈھائی

برس کی زندگی اور ہے، ہر طرح گزر جائے گی، جانتا ہوں کہ تم کونسی آئے گی کہ یہ کیا بکتا ہے؟ مرنے کا زمانہ کون بتا سکتا ہے۔ چاہے الہام سمجھیے، چاہے اوہام سمجھیے بیس برس سے یہ قطعہ لکھ رکھا ہے:

من که باشم که جاوداں باشم
چوں نظیری نماند و طالب مرد
در بہ پر سند در کدا میں سال
مرد غالب؟ بگوله که غالب مرد"

اب بارہ سو پچھتر ہیں اور غالب مرد بارہ سو ستتر ہیں۔ اس عرصے میں جو کچھ مسرت پہنچی ہو۔ پہنچ لے۔ ورنہ پھر ہم کہاں۔

۳۔ جنوری ۱۸۵۹ء

---

[1] یعنی شراب نہیں۔

## (۵)

قبلہ،

کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے۔ وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے؟ پنسن قدیم اکیس مہینے سے بند اور میں سادہ دل فتوح جدید کا آرزومند۔ پنسن کا احاطہ پنجاب کے حکام پر مدار ہے۔ سو ان کا یہ شیوہ اور یہ اشعار ہے کہ نہ روپیہ دیتے ہیں۔ نہ جواب، نہ مہربانی کرتے ہیں نہ عتاب، خیر اس سے قطع نظر کی۔ اب سنیے ادھر کی۔ ۱۸۵۶ء سے بموجب تحریر وزیر، عطیہ شاہی کا امیدوار ہوں۔ تقاضا کرتے ہوئے شرماؤں اگر گنہ گار ہوں۔ گنہ گار ٹھہرتا۔ گولی یا پھانسی سے مرتا۔ اس بات پر کہ میں بے گناہ ہوں۔ مقید اور مقتول نہ ہونے سے آپ اپنا گواہ ہوں۔ پیشگاہ گورنمنٹ کلکتہ جب کوئی کاغذ بھجوایا ہے۔ بقلم چیف سکرتر بہادر اس کا جواب پایا ہے۔ اب کی بار دو کتابیں بھیجیں: ایک پیش کش گورنمنٹ اور ایک نذر شاہی ہے۔ نہ اس کے قبول کی اطلاع، نہ اس کے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب ولیم میور صاحب بہادر نے بھی عنایت نہ فرمائی۔ ان کی بھی کوئی تحریر مجھ کو نہ آئی۔ یہ سب ایک طرف۔ اب خبریں ہیں مختلف۔ کہتے ہیں کہ چیف سکرتر بہادر لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ انکی جگہ کونسے صاحب عالیشان چیف سکرتر ہوئے؟ مشہور ہے کہ جناب ولیم میور صاحب بہادر صدر بورڈ میں تشریف لے گئے۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ لفٹنٹ گورنری کے سکرتر کا کام کس کو دے گئے؟ آپ کا حال کوئی نہیں کہتا کہ آپ کہاں ہیں؟ ہاں از روے

قیاس جانتا ہوں کہ آپ اسی منصب اور اسی دفتر میں شاد وشادماں ہیں۔ جواب لفٹنٹی کے سکرتر ہوئے ہوں گے۔ان سے علاقہ رہتا ہوگا۔میور صاحب بہادر سے کاہے کو ملنا ہوتا ہوگا؟ لفٹنٹ گورنری اور صدر بورڈ یہ دونوں محکمے الہ آباد آ گئے یا آئیں گے۔ بہ ہر حال آپ اب کیوں آگرہ کو جائینگے؟

نواب گورنر جنرل بہادر کی روانگی کی خبر میں اختلاف ہے۔کوئی کہتا ہے کہ ۲۰ جنوری کو گئے۔کوئی کہتا ہے فروری میں کوچ فرمائیں گے۔ میں تو ادھر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ہر طرح اپنی قسمت کو رو بیٹھا۔مگر یہ چاہتا ہوں حقیقت واقعی پر کماحقہ، اطلاع حاصل ہو،تاکہ تسلی خاطر اور تسکین دل ہو۔اگر ان مطالب کا جواب، نہ مجمل بلکہ مفصل، نہ بدیر بلکہ جلد،مرحمت کیجئے گا تو گویا مجھ کو مول لے لیجئے گا۔زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

۳۰۔جنوری ۱۸۵۹ء

---

۱۔اس عطیہ شاہی سے مراد ملکہ وکٹوریہ کیطرف سے صلہ مدح ہے۔جس کی غالب نے خود تصریح کی ہے کہ ایک قصیدہ لارڈ الین برا کی وساطت سے بھجوایا تھا۔ وزیر اعظم برطانیہ نے لکھا کہ جو حکم جاری ہوگا۔حکومت ہند کے ذریعہ سے جاری ہوگا۔جنوری ۱۸۵۷ء میں یہ اطلاع میرزا کو پہنچی دو تین مہینے خوش خوش امید میں گزارے۔پھر غدر شروع ہوگیا۔(دیکھیے مکتوب نمبر ۲)

(۶)

قبلہ حاجات،

قطعے میں جو حضرت نے الہام درج کیا ہے۔ وہ تو ایک لطیفہ بسبیل دعا ہے۔ مگر ہاں یہ کشف یقینی ہے اور مخدوم کی روشن دلی اور دور بینی ہے کہ جو سوالات میں نے ۳۰ جنوری کو کیے۔ ان کے جوابات تم نے ۲۷۔ جنوری کو لکھ کر بھیج دیے۔ کیوں نہ کہوں روشن ضمیر ہو؟ اگر چہ جوان ہو مگر میرے ہو۔ خلاصہ تقریر یہ کہ۔ ۳۰ جنوری کو آخر روز میں نے ڈاک میں خط بھجوایا اور ۳۱ کو ڈاک کا ہرکارہ پہر دن چڑھے تمہارا خط لایا۔ سوالات میں ایک سوال کا جواب باقی رہا۔ یعنی جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر کی جگہ چیف سکرٹر گورنمنٹ کلکتہ کون ہوا؟ یہ دل میں پیچ و تاب باقی رہا۔

کتاب کے باب میں جو کچھ لکھا ہے۔ واقعی یہ درست اور بجا ہے۔ جو کچھ واقع ہوا۔ اسکو مفید مطلب فرض کروں۔ لیکن اجازت پاؤں تو اسی باب میں عرض کروں گا کہ پیش گاہ گورنمنٹ میں بتوسط چیف سکرٹر بہادر سابق اور لفٹنٹ گورنر بہادر حال، وہ مجلد پیش کیے ہیں۔ ایک نذر گورنمنٹ اور دوسری کے واسطے یہ سوال کہ میری عزت بڑھائی جائے اور یہ مجلد حضور شاہنشاہی میں بھجوائی جائے۔ اچھا، نذر گورنمنٹ میں تو مولوی اظہار حسین صاحب کا وہ اظہار ہے، نذر سلطانی کے ارسال و عدم ارسال میں کیا دارومدار ہے۔ دو نسخے جوان دونوں صاحبوں کے پیش کش مقرر ہوئے ان میں سے ایک صدر بورڈ کے حاکم اور لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ اردو قبول، نفرین و آفرین کچھ بھی نہیں۔ قیاس جو چاہوں سو کروں۔ یقین کچھ بھی

نہیں۔

۱۷، دسمبر ۱۸۵۶ء کو لکھا ہوا حکم وزیر اعظم کا ولایت کی ڈاک میں مجھ کو آیا ہے کہ قصیدے کے صلے اور جائزے کے واسطے کہ جو بتوسط لارڈ ایلن برا۔ سائل نے بھجوایا ہے۔ خطاب اور خلعت اور پنسن کی تجویز ضرور ہے۔ جو حکم صادر ہوگا۔ سائل کو بتوسط گورنمنٹ اس کی اطلاع دینی منظور ہے۔ یہ حکم مورخہ، ۱۷، دسمبر ۱۸۵۶ء آخر جنوری ۱۸۵۷ء میں میں نے پایا۔ فروری، مارچ، اپریل خوشی اور توقع میں گزرے۔ مئی ۱۸۵۷ء میں فلک نے یہ فتنہ اٹھایا۔ اب اس کتاب اور دوسرے قصیدے کے جا بجا نذر کرنے کا یہ سبب ہے کہ سائل محکمہ ولایت کو یاد ہی کرتا ہے اور گورنمنٹ سے تحسین طلب ہے۔ جب یہاں سے نوید تحسین نہیں، تو ولایت کو نذر کے ارسال کا بھی یقین نہیں۔ تحسین اور آفرین سے قطع نظر نذر کے ولایت جانے کا یقین کیوں کر حاصل ہو، جہاں یہ تفرقہ اور بے اتفاقی اور یہ دشواری اور یہ مشکل ہو؟ جی میں آتا ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر اور حاکم صدر بورڈ کو ایک عریضہ جدا جدا لکھوں۔ پھر یہ سوچتا ہوں کہ انگریزی لکھواؤں۔ اور فارسی لکھوں اور دونوں صورتوں میں کیا لکھوں۔ کل کا بھیجا ہوا خط اور یہ آج کا خط یقین ہے کہ دونوں معا ایک وقت میں پہنچیں۔ وہ تو جواب طلب نہیں، اس کا جواب لکھیے اور بہت شتاب لکھیے۔

۳۱۔ جنوری ۱۸۶۰ء

(۷)

حضور،

خدا کا شکر، پھر آپ کا شکر بجالاتا ہوں کہ آپ نے خط لکھا اور میرا حال پوچھا۔ یہ پرسش حکم نشتر کا رکھتی ہے۔ اب رگ قلم کی خوننابہ فشانی دیکھو۔ گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا۔ صاحب کمشنر بہادر نے سات جاگیرداروں میں سے جو تین بقیۃ السیف تھے۔ انکو حکم دیا اور دربار عام میں سے سوائے میرے کوئی نہ تھا۔ یا چند مہاجن۔ مجھ کو کوئی حکم نہ پہنچا۔ جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہوسکتا۔ جب یہ سرزمین اِخیم خیام گورنری ہوئی۔ میں اپنی عادت قدیم کے مطابق خیمہ گار میں پہنچا۔ مولوی اظہار حسین خاں صاحب بہادر سے ملا۔ چیف سکرٹر بہادر کو اطلاع کی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں، دوسرے دن پھر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر، میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے۔ اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ اس دن چلا آیا۔ دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام کا لکھ کر انکو بھیجا۔ مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص مظنہ محض ہے۔ امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہوتا کہ میری صفائی اور بے گناہی ثابت ہو۔ یہاں کے مقامات پر جواب نہ ہوا۔ اب ماہ گزشتہ یعنی فروری میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ ہم تحقیقات نہ کریں گے۔ پس یہ مقدمہ طے ہوا۔ دربار و خلعت موقوف، پنشن مسدود، وجہ نامعلوم، لاموجود الا اللہ والاموثر فی الوجود الا اللہ۔

۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خاں بہادر والی رام پور کہ میرے آشنائے قدیم ہیں۔ اس سال ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے۔ ناظم ان کو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلیں اردو کی بھیجتے۔ میں اصلاح دیکر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری۔ انگریزی پنسن کھلا ہوا۔ انکے عطایا فتوح گنے جاتے تھے۔ جب وہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں تو زندگی کا مدار ان کے عطیہ پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ اوپر لکھ آیا ہوں تو میں آخر جنوری میں رام پور گیا۔ چھ سات ہفتے وہاں رہ کر دلی آیا۔ یہاں آپ کا خط محررہ ۸۔ مارچ پایا۔ جواب بھیجا جاتا ہے۔

مارچ ۱۸۶۰ء

## (۸)

در نومیدی بسے امید است
پایان شب سیہ سپید است

قبلہ،

آج آپ کی خوشی اور خوشنودی کے واسطے اپنی روداد لکھتا ہوں۔

تو طیہ: ۱۸۶۰ء میں لارڈ صاحب بہادر نے میرٹھ دربار کیا۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی کو ساتھ لے گئے۔ میں نے کہا، میں بھی چلوں۔ فرمایا کہ نہیں۔ جب لشکر میرٹھ سے دلی میں آیا۔ موافق اپنے دستور کے، روز ورودِ لشکر، مخیم میں گیا۔ میر منشی صاحب سے ملا۔ ان کے خیمہ میں سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرتر بہادر کے پاس بھیجا۔ جواب آیا کہ تم غدر کے دنوں میں بادشاہ باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں۔ میں گدائے مبرم، اس حکم پر ممنوع نہ ہوا۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہنچے۔ میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیج دیا۔ مع اس حکم کے واپس آیا کہ اب یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں مایوس ہو کر بیٹھ رہا اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا۔

واقعہ: اواخر ماہ گزشتہ یعنی فروری ۱۸۶۳ء میں نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب دلی آئے۔ اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے۔ میں تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا۔ جگہ سے نہ ہلا۔ کسی سے نہ ملا۔ دربار ہوا۔ ہر ایک کامگار ہوا۔ شنبہ ۸۔ فروری کو آزادانہ منشی من پھول سنگھ

صاحب کے خیمے میں چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرتر بہادر کے پاس بھیجا۔ بلایا گیا۔ مہربان پا کر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی، وہ بھی حاصل ہوئی۔ وہ حاکم جلیل القدر کی وہ عنائتیں دیکھیں۔ جو میرے تصور میں بھی نہ تھیں۔

جملہ معترضہ: میر منشی لفٹنٹ گورنر سے سابقہ تعارف نہ تھا۔ وہ بطریق طلب میرے خواہاں ہوئے تو میں گیا۔ جب حکام بجز و استدعا مجھ سے بے تکلف ملے۔ تو میں قیاس کر سکتا ہوں۔ کہ میر منشی کی حسن طلب یا یماے حکام ہوگی۔ وللرحمٰن الطاف خفیہ۔

بقیہ روداد یہ ہے کہ دوشنبہ دوم مارچ کو سوا و شہر مخیم خیام گورنری ہوا۔ آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خان بہادر کے پاس گیا۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار و خلعت بدستور بحال و برقرار ہے۔ متحیرانہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیوں کر؟ حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آ کر تمہارے علاقے کے سب کاغذ، انگریزی و فارسی، دیکھے او با جلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خاں کا دربار اور لمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع ہوا؟ فرمایا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ یہ حکم دفتر میں لکھوا کر چودہ یا پندرہ دن بعد ادھر کو روانہ ہوئے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ:

کارساز ما بفکر کارما
فکر ما درکار ما آزارما

سہ شنبہ ۳۔ مارچ کو بارہ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا۔ خلعت

عطا کیا۔ اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے ہاں کا دربار خلعت بھی بحال ہے۔ انبالہ جاؤ گے تو دربار اور خلعت پاؤ گے۔ عرض کیا گیا: حضور کے قدم دیکھے، خلعت پایا۔ لارڈ صاحب کا حکم سن لیا۔ نہال ہو گیا۔ اب انبالہ کہاں جاؤں۔ جیتا رہا تو اور دربار میں کامیاب ہو رہوں گا۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| کار | دینا | کے | تمام | نکرو |
| ہر | چہ | گیرید | مختصر | گیرید |

مارچ ۱۸۶۳ء

---

۱ دہلی ۔۔۔۔۔ ۲ خیمہ گاہ

---

## (۹)

جناب عالی!

ایک شعر استاد کا مدت سے تحویل حافظہ چلا آتا ہے:

ظالم! یہ میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

میں نے ازراہ تصرف اس شعر کی صورت بدل ڈالی:

ان دل فریبیوں سے نہ کیوں اس پہ پیار آئے
روٹھا جو بے گناہ تو بے عذر من گیا

تم اخوان الصفا میں سے ہو۔ تمہاری آزردگی اوروں کی مہربانی سے خوشتر ہے۔

ہاں حضرت، کہیے ممتاز علی خان کی سعی بھی مشکور ہوگی؟ وہ مجموعہ اردو چھپا یا چھپا ہی رہیگا۔ احباب اس کے طالب ہیں۔ بلکہ بعض نے طلب کو بسر حد تقاضا پہنچا دیا ہے۔

میرا حال سنیے۔ لارڈ کے ننگ صاحب نے بعد فتح دہلی میرا قصیدہ مجھ کو واپس بھیج دیا۔ صاحب سکرٹر نے مجھ سے کہہ دیا کہ تم ایام غدر میں بادشاہ باغی کے مصاحب رہے۔ اب گورنمنٹ کو تم سے راہ و رسم آمیزش منظور نہیں۔ ناچار چپ ہو رہا۔ بے حیا ہوں۔ لارڈ ایلگن صاحب بہادر کے وقت میں پھر موافق معمول قصیدہ شملہ کے مقامات پر بھیج دیا۔ خلاف تصور بحسب دستور قدیم چیف سکرٹر بہادر

کا خط آ گیا۔ وہی افشانی کاغذ، وہی القاب، وہی تحسین کلام وہی اظہار خوشنودی ۔اب جو یہ امیر کبیر وائسرائے قلمرو ہند ہوئے ۔ میں خدمت دیرینہ بجالایا[1]۔۱۳۔ فروری ۱۸۶۴ء حال کو قصیدہ مع عرضداشت ارسال کیا۔ آج تک کہ ۷۔ مارچ کی ہے۔ جواب نہیں پایا۔ باوجود سوابق معرفت رسم قدیم کا عمل میں نہ آنا خاطر آشوب کیوں نہ ہو؟

بیدل نیم ہنوز بہ ہنم چہ میشود

۷۔ مارچ ۱۸۶۴ء

---

[1] غالباً اس سے مراد لارڈ لارنس ہے

قبلہ

میرا ایک شعر ہے:

خود پیش خود کفیل گرفتاری من است
ہر دم بہ پرسش دل مایوس مے رسد

یہ معاملہ میرا اور آپ کا ہے۔ خارج سے مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع کے نکال کر ایک نسخہ موسوم بہ قاطع برہان، لکھا ہے اور ایک مجلد اس کا آپ کو بھی بھیج دیا ہے۔ آپ اس کی تردید میں کوئی رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگر چہ باور نہیں آیا۔ لیکن عجب آیا۔ ایک مولوی نجف علی ہیں۔ باوجود فضیلت علم عربی، فارسی میں انکا نظیر نہیں۔ وہ جو ایک شخص مجہول الحال نے اہل دہلی میں سے میرے کلام کی تردید میں کتاب تصنیف کی ہے۔ مسمی بہ محرق قاطع برہان۔ انھوں نے اس کی توہین اور مسودہ کی تفضیح میں دو جزو کا ایک نسخہ مختصر لکھا ہے اور ایک طالب علم مسمی بہ عبدلکریم نے سعادت علی مولف محرق قاطع سے سوالات کیے ہیں اور ایک محضر اس نے بخواے علماے شہر مرتب کیا ہے!۔ ایک میرے دوست نے بصرف زر اس کو چھپوایا ہے۔ ایک نسخہ اس کا آج اسی خط کیساتھ بسبیل پارسل ارسال کیا ہے۔

اس شہر میں ایک میلہ ہوتا ہے۔ پھول والوں میلہ کہلاتا ہے۔ بھادوں کے مہینے میں ہوا کرتا ہے۔ امراے شہر سے لے کر اہل حرفہ تک قطب جاتے ہیں۔ دو تین ہفتے تک وہیں رہتے ہیں۔ مسلمان وہنود دونوں فرقوں کی شہر میں دکانیں بند پڑی

رہتی ہیں۔ بھائی ضیاء الدین خاں اور میرے دونوں لڑکے سب قطب گئے ہوئے ہیں۔ اب دیوان خانہ میں ایک ہوں اور ایک داروغہ اور ایک بیمار خدمتگار۔ بھائی صاحب وہاں سے آئیں گے۔ تو مقرر آپ کو خط لکھیں گے۔ بڑے پہاڑ سے اترے، چھوٹے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ عدم تحریر کیوجہ یہ ہے۔

۱۸۶۴ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۱)

میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں
یعنی سبق شوقِ مکرر نہ ہوا تھا

پیر و مرشد،

خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سنا، مجھے باور نہ آیا۔ یہاں تک تو میں مورد عتاب نہیں ہو سکتا۔ جھگڑا استعجاب پر ہے۔ محل استعجاب وہ ہے کہ آپ کا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیاء کا یہ حال ہے۔ وائے برحال ہم اشقیا کے، یہ حکایت ہے شکایت نہیں۔ میں دنیا داری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں۔ لیکن فقیر آزاد ہوں۔ نہ شیاد، نہ کیادستر برس کی عمر میں۔ بے مبالغہ کہتا ہوں۔ ستر ہزار آدمی نظر سے گزرے ہوں گے، زمرہ خاص میں سے، عوام کا شمار نہیں۔ وہ مخلص صادق الولا دیکھے۔ ایک مولوی سراج الدینؒ دوسرا منشی غلام غوث سلمہ اللہ تعالیٰ، لیکن وہ مرحوم حسن صورت نہیں رکھتا تھا اور خلوص اخلاص اس کا خاص میرے ساتھ تھا۔ اللہ اللہ دوسرا دوست خیر خواہ خلق۔ حسن و جمال، چشم بدور، کمال مہر و وفا صدق و صفا، نور علیٰ نور۔ میں آدمی نہیں۔ آدم شناس ہوں:

نگہم نقب ہمے زو بہ نہاں خانہ دل
مژدہ باد اہل ریا راکہ زمیداں رفتم

غایت مہر و محبت، جس کے ملکہ کا تم کو مالک سمجھا ہوں۔ وہ بہ نسبت اپنے اس

قدر یقین کرتا ہوں کہ پہلے دو آدمیوں کو اپنا ماتم دار سمجھا ہوا تھا۔ ایک کو تو میں رو لیا۔ اب اللہ آمین میں ایک دوست رہ گیا۔ دعائیں مانگتا ہوں کہ خدایا اسکا داغ نہ مجھے دکھائیو۔ اس کے سامنے مروں۔ میاں، میں تمہارا عاشق صادق ہوں۔ بھائی ابھی قطب سے نہیں آئے۔ دافع ہذیان کے دو مجلد اور بھیج دوں گا۔

۱۸۶۴ء

---

۱؎ یہ سوالات غالب خود مرتب کیے تھے

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۱۲)

پیرومرشد،

کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں، مولوی عبدلغفور انکا نام اورنساخ انکا تخلص ہے۔ میری ان کی ملاقات نہیں۔ انھوں نے اپنا دیوان چھاپے کا موسوم بہ دفتر بے مثال مجھ کو بھیجا۔ اس کی رسید میں یہ خط میں نے ان کو لکھا۔ چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کے لائق ہے۔ آپ کے پاس ارسال کرتا ہوں اور ہاں حضرت وہ مجموعہ چھپے گا بالفتح، یا چھپے کا بالضم، چھپ چکا ہو تو حق تصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتا زعلی خاں صاحب کی ہمت اقتضاء کرے۔ فقیر کو بھیجے۔ والسلام ۱۲

۱۸۶۴ء

قبلہ،

آپ کا پہلا خط آیا اور میں اس کا جواب لکھنا بھول گیا۔ کل دوسرا خط آیا مگر شام کو اسی وقت پڑھ لیا۔ آدمی کے حوالے کیا۔ اس نے آج صبح دم مجھ کو دیا۔ میں جواب لکھ رہا ہوں۔ بعد اختتام تحریر معنون کر کے ڈاک میں بھجوا دوں گا۔

والی رام پور کو خدا سلامت رکھے۔ اپریل، مئی ان دونوں مہینوں کا روپیہ موافق دستور قدیم آیا۔ جون ماہ آیندہ کا روپیہ خدا چاہے تو آ جائے۔ جمعہ ۷، جولائی ہے۔ معمول یہ ہے کہ دسویں بارھویں کو رئیس کا خط مع ہنڈوی آیا کرتا ہے۔ میں نے قصیدہ تہنیت جلوس بھیجا۔[۱] اس کا جواب آ گیا۔ اب میں نظم و نثر کا مسودہ نہیں رکھتا۔ دل اس فن سے نفور ہے۔ وہ ایک دوستوں کے پاس اسکی نقل ہے۔ ان کو اس وقت کہلا بھیجا ہے۔ اگر آج آ گیا۔ کل اور اگر کل آیا، پرسوں بھیج دوں گا۔ بھائی امین الدین خاں کے اصرار سے خسرو کی غزل پر ایک غزل لکھی ہے۔ علاؤالدین خاں ن ے اس کی نقل انکو بھیج دی ہے۔ میں دیوان پر نہیں چڑھاتا۔ مسودہ بھیجتا ہوں۔[۱] تقدیم و تاخیر ہندسوں کے مطابق ملحوظ رہے۔ گرمی کی شدت سے حواس بجا نہیں۔ معہذا امراض جسمانی و

---

[۱] تجلی کہ ز موسیٰ ربود ہوش بہ طور
بہ شکل کلب علی خاں دگر نمود ظہور
خجستہ سرور سلطان شکوہ را نازم

که رشک بر کلهش دارد افسر فغفور
هوائے لطف دے از جان خور برد سوزش
نگاه قهر وے ازروے مه ربا ید نور
دم نگارش وصف کلام شیر بنبش
چو خیل مور دو دبر ورق حروف سطور
فضائے رز مگهش شاهراه قهر و غضب
بساط بز مگهش کار گاه سور و سرور
بخوان شرع بهیں هم نواله شبلی
به بزم عشق مهیں هم پیاله منصور
زروے رابطه حسن، ماهتاب جمال
بحسب ضابطه جاه آفتاب ظهور
بحکم مرتبه او حاک و فلک محکوم
زره قاعده شرع آمراست واو مامور
چو آب سیل روانے که ایستد به مغاک
بود همیشه به فنجان دے شراب طهور
زهے وزیر و خهے شهر یار دانا دل
تو شاه کشور حسن و خرد ترا دستور
بنائے منظر جاه ترا زحل معمار
ثوابت کره چرخ هشتمس، مزدور

شاگردِ تو سکندر بہ بارجاے جلال
قفا خور تو ارسطو بدرسگاہ شعور
براے بزم نشاط تو شمع چوں ریزند
نہ پیر گا و بکا آورند دنے کا فور
زفیض نسبت خلق تو عنبر سارا
بجاے موم بر آید ز خانہ زنبور
بدیں خرام و بدیں قامت و بدیں رفتار
ز بہر فاتحہ آئی اگر بسوے قبور
جہان جانی وجان جہاں عجب نبود
کہ از ورود تو ہر مردہ رقصد اندر گور
بہ پیشگاہ تو زانو ہمے زند ہمے زند انصاف ق
کہ اے بے رحم و کرم درجہانیاں مشہور
درانتقام کشی شیوہ کرمگوار
بر آر کام دل بد سگال از ساطور
توئی بہ فضل فزایندہ عروج علوم
توئی بہ علم کشایندہ عقود صدور
صریر خامہ من بیں کہ مے رباید دل
چنانکہ از لب داؤد استماع زبور
سواد صفحہ من بیں و تا بش معنی

عیاں چو شمع فروزندہ در شب دیجور
امیر زندہ دل۔آں والی ولایت نظم [1]
بہ گنج خانہ گنجہ نظامیش گنجور
غروب مہر و طلوع مہ دو ہفتہ بود
رسیدن تو بدیں اوج بعد آں مغفور [2]
چوں اور بزیر زمین رفت۔ آں ولایت یافت
ت باش والی روے زمیں، قرون و دہور

---

[1] ایک نسخہ ناظم ولایت نظم [2] یوسف علی خاں والد کلب علی خاں

بہ انجمن نہ رسیدم ز ناتوانائی
ولے بہ عرض ثنا و دعا نیم معذور
بخاک پاے تو، گر دستگاہ داشتمے
نبودم بغم دوری در تو صبور
من آں کسم کہ ز افراط ورزش اخلاص
بغیبت است مرا دعوی دوام حضور
توئی رحیم دل و من سقم دوری بہ
مباد رنجہ شوی از نظارہ رنجور
کھے بدست تہی تر ز کیسۂ دلاک
ولے بہ سینہ بسے تنگ تر زدیدہ مور
کمی زما و کرم از شما بلا تشبیہ

زکر دگاربود رحمت و زبندہ قصور
نظر بہ خستگی و پیری و تہیدستی
قبول کردن تسلیم من خوش است زورد
شعار غالب آزادہ جز دعا نبود
کہ باد سعی دعا گوے در دعا مشکور
بدہر تابود آئین کہ دنوا آوند
رباب و بربط و قانون ونے بمفل سور
بہ بزم عیش تو ناہید باد زمزمہ سنج
نسیم عطر فروش از شمیم طرہ حور
محبّ ز لطف تا بالندہ چون نوارز ساز
عدو زبیم تو نالندہ چوں خراز طنبور

اغزل:

ہم انا للہ خوں و رختے را بہ گفتار آورد
ہم اناالحق گوے مردے راسر دار آورد
اے کہ پنداری کہ ناچار است گردوں در روش
نیست ناچار آنکہ گردوں را بہ رفتار آورد
نکتہ واریم و بایاراں نے گوئیم فاش
طالب دیدار باید تاب دیدار آورد
آں کند قطع بیاباں ، ایں شگافد مغز کوہ

عشق ہریک را بطرز خاص درکار آورد
جذب شوقش ہیں کہ در ہنگام برگشتن زدیر
ورقفاے خویشتن بت را بہ رفتار آورد
وانہ ہا چوں ریزد از تسبیح ، تارے بیش ند
ایں مشعبد وہرگاہ از سبحہ زنار آورد
آہ مارا ہیں کہ نارو از دل سختش خبر
باورا نازم کہ ابراز سوے کہسار آورد
نزد ماحیف است گوزند زلیخا میل باش
جذبہ کز چاہے یوسف را بہ بازار آورد
ہر انارے را کہ افشاریم ازوے خوں چکد
ہر نہالے را کہ نبشا نیم دل بار آورد
نیست چوں ورمنطقش جز ذکر شاہد حرف و صوت
شاہدے باید کہ غالب را بہ گفتار آورد

آلام روحانی

۷۔جولائی ۱۸۶۵ء

بندہ گنہگار شرمسار عرض کرتا ہے کہ پرسوں غازی آباد کا اٹھا ہو گیارہ بجے اپنے گھر پر مثل بلا نے ناگہانی نازل ہوا تھا۔

باید کہ کنم ہزار نفریں بر خویش
اما بہ زبان جادہ راہ وطن

خواجہ صاحب[۱] کی رحلت کا اندازہ بقدر قرب وقرات آپ کو اور باندازہ مہر و محبت مجھ کو۔ وہ مغفور میرا قدردان اور مجھ پر مہربان تھا۔ حق تعالیٰ اس کو اعلیٰ مطمئین میں بسبیل دوام قیام دے۔ رام پور ہی میں تھا کہ، اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر افروز ہوئی۔ کیا کہنا ہے، ابداع اس کو کہتے ہیں۔ جدت طرز اس کا نام ہے۔ جو ڈھنگ تازہ نوایان ایران کے خیال میں نہ گزارتھا۔ وہ تم برودے کا رلائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے او رمیرے اور کھنی صاحب، برہان قاطع، کے جھگڑے میں بخلاف اور فارسی دانوں کے توفیق انصاف عطا کرے۔ لواب اس کا جواب جلد بھیجو یا یہ طریقہ مسلسل ہو جائے۔[۲]

۱۰۔ جنوری ۱۸۶۶ء

---

[۱] خاں بہادر سید محمد خاں، ملاحظہ ہو خط نمبر ۲۱۵ جس غزل کا حوالہ دیا وہ ذیل میں درج ہے:

---

چشم کہ باز شد خواب؟ فتنہ ازو بچا سوست
پردہ زاخ کہ برکشاد؟ مہر ز شرم زرد دست

رخت خود بہ آب رفت عارضی شرمگیں کہ شست ؟
غرقہ آب حیرت است آئینہ با کہ رو برو ست
جامہ کہ کرو زیب تن؟ صبح ورید پیرہن
بند قبا کہ بستہ است؟نکہت گل بہ بند اوست
غازہ برغ کہ برکشیدہ، رنگ بروے گل شکست
ابروے کیست ، دسمہ تاب اگر دن خلق تیغ جوست
دست کہ درحنا گرفت؟ لالہ تر خون نشست
چشم کہ مست سرمہ گشت ناطقہ سر مہ در گلدست
جام صبوحی کہ زد؟ شیشہ بسجدہ لے ردو
مے زلب کہ کام یافت جوش نشاط در سبوست
چہرہ زمے کہ بر فروخت، نشاء شو ق شد بلند
زلف کہ بوے بر فشاند؟ موج نسیم مشکبوست
تیغ نگہ کہ آب واد؟ گشتہ نگار سینہ ہا
نوک مژہ کہ تیز کرو، دامن زخم بے رفوست
غنچہ زخدہ لب رنگ تبسم کہ دید؟
ور گہر آبرو نہ ماند، لعل کہ گرم گفتگو ست؟
طرف کلہ کہ بو شکست، شیشہ اول شکستہ شد
قامت خود کہ راست کرو؟ نخل مراد نحوست

## (۱۵)

مولانا!

بندگی، آج صبح کے وقت شوق دیدار میں بے اختیار نہ ریل، ڈاک تو سن ہمت پر سوار چل دیا ہوں۔ جانتا ہوں کہ تم تک پہنچ جاؤں گا۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ کہا پہنچوں گا۔ اتنا بے خود ہوں کہ جب تک تم جواب نہ دو گے۔ میں نہ جانوں گا۔ کہ کہاں پہنچا اور کب پہنچا۔

آپ کا پہلا خط رام پور سے دلی آیا۔ میں راہ میں تھا۔ پھر دلی سے خط رام پور پہنچا۔ میں وہاں بھی نہ تھا۔ خط دلی روانہ ہوا۔ اب کئی دن ہوئے کہ میں نے ڈاک سے پایا۔ اس حال میں کہ میں بیمار تھا۔ معہذا اجاڑے کی شدت، مہاوٹ کا مہینا۔ دھوپ کا پتا نہیں، پردے چھٹے ہوئے۔ نشیمن تاریک، آج نیر اعظم کی صورت نظر آئی۔ دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ خط لکھ رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کیا لکھوں؟ اس خط کے مضامین اندوہ فزا نے دل کو مضمحل کر دیا۔ جانتا تھا کہ خواجہ صاحب مغفور تمہارے ماموں ہیں! مگر ان کا اور تمہارے معاملات مہر و وفا جیسے کہ تمہاری تحریر سے اب معلوم ہوئے۔ میرے دل نشین نہ تھے۔ ایسے محبّ کا فراق اور پھر بقید دوام کیونکر جانگزا نہ ہو۔ حق تعالیٰ ان کو بخشے اور تم کو صبر دے۔

حضرت میں بھی اب چراغ سحری ہوں رجب ۱۲۸۲ھ حال کی آٹھویں تاریخ سے اکہترواں سال شروع ہو گیا۔ طاقت سلب، حواس مفقود، امراض مستولی، بقول نظامی:

یکے مردہ شخصم بمردی رواں

آج میں اور بھی باتیں کرتا مگر میرا خاص تراش آ گیا۔ مہینے بھر سے حجامت نہیں بنوائی۔ خط لپیٹ کر ڈاک میں بھیجتا ہوں اور خط بنواتا ہوں۔ ۲

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

قبلہ

پیری وصد عیب، ساتویں وبا کے مہینے گن رہا ہوں۔قولنج آگے دوری تھا۔اب دائمی ہوگیا۔ مہینے بھر میں پانچ سات بار فضول مجتمعہ دفع ہو جاتے ہیں اور یہی منشاء حیات ہے۔غذا کم ہوتے ہوتے اگر معدوم نہ کہو کہ بمنزلہ مفقود کہو۔پھر گرمی نے مار ڈالا۔ایک حرارت غریبہ جگر میں پاتا ہوں۔اگر چہ جرعہ جرعہ پیتا ہوں۔مگر صبح سے سوتے وقت تک نہیں جانتا کہ کتنا پانی پی جاتا ہوں۔

موے کمر کہ ت اب واد؟ رشتہ جاں زہم گسیخت
آن ناز را کہ ہشت؟ خاک زمین بہ آبروست
برسر زیں کہ بر نشست؟ رفتہ ز کف عنان صبر
سوئے چمن کہ میرود باد صبا بہ رفت دورست
بخت کجا ست بے خبر؟ تا برکاب او دوم
بر سرہ نشتہ ام، نیم نگاہم آرزوست

۱خان بہادر سید محمد خاں جو غلام غوث خاں کے ماموں تھے۔۲یہ خط اوائل ۱۸۶۶ء کا معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ اس میں دوسرے سفر رام پور کا ذکر ہے۔

میرے ایک رشتہ دار کے بھتیجے نے بوستان خیال کا اردو ترجمہ کیا ہے۔میں نے اس کا دیباچہ لکھا ہے۔ایک دو ورقہ اس کا بصورت پارسل بلکہ بہ ہیئت خط بھیجتا ہوں۔آپ کا مقصود دیباچہ ہے۔سو نقل کر لیجئے۱۔ میرا مدعا اس دو ورقے کے

ارسال سے یہ ہے کہ اگر آپ کے پسند آوے یا اور اشخاص خرید کرنا چاہیں تو چھ روپے قیمت اور محصول بہ ذمہ خریدار ہے۔

۱۸۶۶ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۷)

قبلہ

میں نہیں جانتا کہ ان روزوں میں بقول ہندی اختر شناسوں کے کون سی کھوئی گرہ آئی ہوئی ہے۔ کہ ہر طرف سے رنج و زحمت کا ہجوم ہے۔ مولوی صاحب سے میری ایک ملاقات ہوئی، جب وہ دلی آئے تھے اور میر خیراتی کے گھر اترے ہوئے تھے۔ شرفاء میں تعارف بنائے محبت و مودت ہے۔ چہ جائے آنکہ معافقہ اور مکالمہ اور مشاعرہ واقع ہوا ہو۔ روز ملاقات سے اس دن تک کہ حضرت دکن کو روانہ ہوں کوئی امر ایسا کہ باعث ناخوشی کا ہو۔ درمیان نہیں آیا اور میرے اس قول کی اس راہ سے کہ مولوی صاحب آپ کے ہمنشین و ہمدم تھے۔ اور مجھ میں اور آپ میں پیوند دلائے روحانی متحق ہے۔ آپ بھی گواہ ہو سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ مجھ میں ان میں رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت جلد اصلاح بین الذاتین کی طرف متوجہ ہوتے۔ اب سنیے حال منشی حبیب اللہ کا، میں نے ان کو دیکھا ہوا تو آنکھیں پھوٹیں۔ تین چار برس ہوئے کہ ناگاہ ایک خط حیدرآباد سے آیا۔ اس میں دو غزلیں۔ خط کا مضمون یہ کہ میں مختار الملک کے دفتر میں نوکر ہوں۔ آپ کا تلمذ اختیار کرتا ہوں۔ ان دونوں غزلوں کو اصلاح دیجیے۔ اس امر کے وہ بادی نہیں۔ بریلی اور لکھنو اور کلکتہ اور بمبئی اور سورت سے اکثر حضرات، نظم و نثر فارسی اور ہندی بھیجتے رہتے ہیں۔ میں خدمت بجالاتا ہوں اور وہ صاحب میرے حک و اصلاح کو مانتے ہیں۔ کلام کا حسن و قبح میری نظر میں رہتا ہے اور ہر ایک کا پایہ اور دستگاہ، فن

شعر میں معلوم ہو جاتا ہے۔ عادات و عندیات عدم ملاقات ظاہری کے سبب میں کیا جانوں۔ آمدم برسر مدعا۔ منشی حبیب اللہ ذکاء کے اشعار آتے رہے اور میں اصلاح دے کر بھیجتا رہا۔ بعد وارہونے مولوی صاحب کے ایک غزل ان کی آئی اور انھوں نے یہ لکھا کہ مولوی غلام امام شہید[2] اکبر آبادی کی غزل پر غزل لکھ کر بھیجتا ہوں۔

---

[1] یعنی عود ہندی، کے لیے جو ترتیب تھی۔ [2] مولوی غلام امام شہید نواح لکھنو کے تھے۔ مولوی حیدر علی سے علوم متوالہ پڑھے۔ فن شعر میں قتیل، مصحفی اور غلام ہمدانی مصحفی سے مشورہ لیا۔ حیدر آباد سے محی الدولہ نے ایک ہزار روپے زاد راہ دے کر بلایا۔ حج کے لیے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس خط میں مولوی صاحب سے شہید ہی مراد ہیں۔

---

میں نے حسب معمول غزل کو اصلاح دے کر بھیجا اور یہ لکھا کہ مولانا شہید اکبر آباد کے نہیں لکھنو اور الہ آباد کے ہیں۔ اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی۔ اس میں سے توہین مستنبط ہوں تو میں ان کا مستہن[1] ہی۔ اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب نے آپ کو کیا لکھا۔

## (۱۸)

حضرت پیرومرشد،

اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں۔ کہ منشی ممتاز علی خاں صاحب سے میری ملاقات ہے اور وہ میرے دوست ہیں۔ یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ میں صاحب فراش ہوں۔ اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہے۔ خطوط لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں؟ یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ تفتہ کو میں نے خط نہیں لکھا۔ اشعار ان کے آئے۔ اصلاح دیدی۔ منشاء اصلاح جابجا حاشیے پر لکھ دیا۔ کل جو عنایات نامہ آیا اس میں بھی دیباچہ کا اشارہ اور تفتہ کے خطوط مندرج پایا۔ ناچار تحریر سابق کا اعادہ کر کے حکم بجالایا۔

ناظرین قاطع برہان، پر روشن ہوگا کہ نامراد اور بے مراد کا ذکر مبنی اس پر ہے کہ عبدالواسع ہانسوی، بے مراد کہ صحیح اور نامراد کو غلط لکھتا ہے۔ میں لکھتا ہوں کہ ترکیبیں دونوں صحیح، لیکن بے مراد غنی کو کہتے ہیں اور نامراد محتاج کو، اب آپ کے نزدیک اگر ان دونوں کا محل استعمال ایک ہی ہو تو میرا مدعا ے اصلی یعنی۔ نامراد کی ترکیب کا علی الرغم عبدالواسع کے صحیح ہونا فوت نہیں۔ شعر میرزا صائب:

نامرادی زندگی بر خویش آساں کردن است
ترک جمعیت دل خود را بساماں کردن است

یہاں ''نامرادی'' بے مرادی کے معنی کیوں کر دے گی۔ اغنیا، خواہ اہل توکل خواہ اہل تمول۔ متمولین پر کبھی کام آسان نہیں ہوتا۔ بلکہ مفلسوں سے زیادہ ان پر

مشکلیں ہیں۔ رہے اہل توکل ان کی صفتیں اور ہیں اور وہ اہل اللہ ہیں۔ مقربان بارگاہ کبریا ہیں۔ دنیا پر پشت پامارے ہوئے ہیں۔ کام ان پر کب مشکل تھا کہ انھوں نے اس کو آسان کر دیا؟ نامراد صیغہ مفرد ہے مساکین کا۔ اوصناف مساکین کی شرح ضرور نہیں۔ سختی کشی۔ بے نوائی تہیدستی گدائی۔ یہ اوصاف ہیں مساکین کے۔ ان صفات میں سے ایک صفت جس میں پائی جائے وہ مسکین۔ وہ نامراد، البتہ مساکین پر۔ نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں۔ نہ پاس ناموس وعزت۔ نہ جاہ تمکنت۔ نہ کسی کے مدعی نہ مدعا علیہ۔ دن رات میں دوبارہ روٹی ملی۔ بہت خوش ایک بار ملی۔ بہر حال خوش۔ خدا کے واسطے مولانا صاحب کے شعر میں سے نامراد بمعنی کسے کہ ہیچ مراد نداشتہ باشد کیوں کر ثابت ہوتا ہے۔ مساکین کی زندگی۔ جیسا میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ آسان گزرتی ہے یا اغنیا کی؟ رہا مولوی معنوی علیہ الرحمتہ کا یہ شعر:

---

اتوہین کرنے والا۔

---

عاقلاں از بے مراد یہائے خویش
باخبر گشتند از مولائے خویش

میں نے مثنوی کے ایک نسخہ میں عاقلاں کی جگہ عاشقاں دیکھا ہے۔ بہ ہرصورت معنی یہ ہے کہ عشاق یا عقلا بعد ریاضت شاقہ ماسوائے اللہ سے اعراض کرکے بے مراد اور بے مدعا ہو گئے۔ یہ پایہ تسلیم ورضا ہے۔ البتہ اس رتبے کے آدمی کو خدا سے لگاؤ پیدا ہو گا ۱۲

باخبر گشتند از مولائے خویش

یہاں بھی بے مرادی سے نامرادی کے معنی نہیں لیے جاتے، مگر ہاں:

بے مرادی مومناں از نیک و بد

دوسرا مصرع:

در بکلی بے مراوت داشتی

ان دونوں مصرعوں میں نامراد اور بے مراد کے معنی خلط واقع ہوگیا ہے۔ خیر بے مراد، اور نامراد ایک سہی۔ ہر چند دوسرے مصرع مولوی میں بے مراد کے معنی بے حاجت کے درست ہوتے ہیں۔ مگر:

من کے رندم شیوہ من نیست بحث

زیادہ تکرار کیوں کروں؟ معہذا مصرع اول کی کچھ توجیہ بھی نہیں کرسکتا۔ نامراد کی ترکیب کی صحت علی الرغم عبدالواسع ثابت ہوئی۔ فثبت الدعا۔ کمال یہ کہ مانند۔ ناچار و بیچارہ۔ اور ناانصاف اور بے انصاف کے نامراد بے مراد کا بھی مورد استعمال مشترک رہا۔ والسلام ۱۲

## (۱۹)

بندہ پرور!

اگر ایک بندہ قدیم کہ عمر بھر فرماں پذیر رہا ہو۔ بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لائے تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچہ پر موقوف ہے۔ تو اس مجموعہ کا چھپ جانا۔ بالفتح میں نہیں چاہتا۔ بلکہ چھپ جانا۔ بالضم۔ چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

رسم است کہ مالکان تحریر
آزاد کنند بندہ پیر

آپ بھی اسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں۔ پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

حضرت وہ شعر بنگالی ۹ زبان کالو، ۱۸۲۹ء میں ضیافت طبع احباب کے واسطے کلکتہ سے ارمغان لایا ہوں صحیح ہوں ہے:

تم کہے تھے رات میں آئیں گے سو آئے نہیں
قبلہ، بندہ رات بھر اس غم سے کچھ کھائے نہیں

والسلام بالوف الاحترام

۱۸۶۶ء

## (۲۰)

قبلہ، کل خط آیا، آج جواب لکھتا ہوں۔ پہلے آپ کا ایک فقرہ لکھ کر اتنا ہنسوں کہ پیٹ میں بل پڑ جائیں اور آنکھ سے آنسو نکل آئیں۔ فقرہ۔ بڑھاپے میں کیا جانیے کہاں کی حرارت مزاج میں آ گئی۔ فقط

کیوں صاحب بڈھوں میں نام لکھوایا تو مجھ کو لازم ہے۔ میں اپنے کو اموات میں گنوں۔ تمہاری عمر میرے نزدیک پچاس سے متجاوز نہ ہوگی۔ اگر تجاویز کیا ہوگا تو دو تین برس سے وہ تجاوز زیادہ نہ ہوگا۔ بھائی ضیاء الدین خاں اور تم ہم عمر ہو۔ وہ کچھ کم پچاس برس، تم کچھ اوپر پچاس، ابھی تم دونوں صاحبوں کو ایک سو بیس برس سے ستر برس یا کچھ کم ستر برس باقی ہیں ۱۲

''بنا یہ آب رسیدن۔ لازمی اور بنا بہ آب رساندن۔ متعدی بہ اجماع جمہور اضداد میں سے ہے۔ ہم بہ معنی استحکام و ہم بہ معنی انہدام۔ درصورت استحکام نیو کا گہرا کھودنا ملحوظ ہے۔ اور درصورت انہدام لطمۂ امواج سیلاب مدنظر ہے۔ آپ کے لکھے ہوئے دونوں شعر مفید معنی خرابی ہیں۔ صائب:

بنائے عمر مسیح و خضر بہ آب رسید

یعنی ویران ہوگئی۔ ڈھے گئی حال آنکہ وہ یقیناً جاودانی تھی:

ہنوز تشنہ خون است تیغ مژگانش

با آنکہ تیغ مژہ نے دو زندہ جاوید کو مارا مگر اب تک تشنہ خون ہے۔ تشنہ بمعنی مشتاق اور خون بمعنی قتل اور بنائے عمر بہ آب رسیدن استعارہ اہلاک:

ہزار میکدہ را محتسب بہ آب رساند
بنائے صومعہ شید ہم چناں برپاست

بنائے میکدہ غلط، ہزار میکدہ صحیح ہے۔ کلیم کے دیوان میں موجود ہے۔
بہ معنی استحکام، نعمت خاں عالی کہتا ہے۔

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا بہ آب
چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد مے سازیم ما[1]

صائب کہتا ہے:

چگو نہ شمع تجلی ز رشک نگدازو
رخ تو خانہ آئینہ را بہ آب رساند

---

[1] عود ہندی مطبوعہ میں مے وانیم ما، تھا لیکن عالی کی پوری غزل کی ردیف مے سازیم ما ہے۔ لہٰذا میں نے تصحیح کر دی۔

---

بہ نون موقوف ۱۲

غالب کہتا ہے کہ اساتذہ کے کلام کے مشاہدے سے میں اگر تو نل[1] رہے تو ہزار ہا بات نئی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے سات شعرا میر خسرو کی غزل پر لکھ کر ایک مطرب کو دیے۔ وہ مجلسوں میں گانے لگا۔ اکبر آباد لکھنو تک مشہور ہوئے۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے:

از جسم بجاں نقاب تا کے
ایں گنج دریں خراب تا کے

ایک صاحب آگرہ، میں اور ایک صاحب لکھنو میں مغرض ہوئے کہ گنج درخرابہ

باید نہ درخراب، ہرچند کہا کہ خرابہ،مزید علیہ اصل لغت،خراب عربی الاصل، بہ معنی ویران و ویرانہ ہے ۔جس کی ہندی اوجڑ ۔معترض مصر رہا۔ صائب کے دیوان میں سے یہ مطلع نکلا:

بہ فکر دل نہ فتاوی بہیچ باب دریغ
بہ گنج راہ نہ بردی دریں خراب دریغ

۱۸۶۶ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۲۱)

قبلہ

آج تیسرا دن ہے کہ میں، بنابہ آب رسیدن، و باب رساندان کی حقیقت باستناد اشعار اساتذہ لکھ کر بسبیل ڈاک بھیج چکا ہوں۔ آج اس وقت بھائی ضیاء الدین خاں صاحب آئے اور اس امر خاص میں کلام کے بادی ہوئے۔ میری تقریر سن کر کہنے لگے کہ آب و بنار رسیدن۔۔۔ و ''آب در بنار ساندن، کے باب میں متردد ہیں کہ آیا یہ ترکیب جائز ہے یا نہیں؟ اب میں متنبہ ہوا کہ واقعی جو میں نے لکھا وہ سوال دیگر، جواب دیگر تھا۔ ستر برس کا پرخرف، حواس و معرض تلف۔ اگرچہ سوال کو غلط سمجھا لیکن جواب غلط نہیں لکھا۔ رسیدن بنا باب ہم بہ معنی استحکام بنا و ہم بہ معنی انہدام بنا، درست، فقط

اب ''آب در بنار سیدن، و رساندن کی کیفیت سنیے۔ فقیر نے اساتذہ کے کلام میں کہیں یہ ترکیب نہیں دیکھی، پس میں اس کی صحت اور غلطی میں کلام نہیں کر سکتا۔ جانب غلطی میرے نزدیک راجح ہے۔ آپ جب تک کلام اہل زبان میں نہ دیکھ لیں۔ اسکو جائز نہ جانیے گا۔ مگر کلام، سعدی و نظامی و حزیں اور ان کے امثال کا معتمد علیہ ہے۔ نہ آرزو اور واقف اور قتیل وغیرہم کا

میرا ایک مطلع ہے:

از جسم بجاں نقاب تا کے
ایں گنج دریں خراب تا کے

۱انہماک، زیادہ سے زیادہ دیکھتے رہنا۔

ایک گروہ معارض ہوا کہ گنج کو خرابہ کہو نہ خراب۔ میں متحیر کہ یارب کس سے کہوں، خرابہ مزید علیہ خراب ہے۔ مثل، ویران و ویرانہ۔ موج و موجہ۔ الحاق ہائے ہوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ بارے صائب کے دیوان میں ایک مطلع نظر آیا۔

بفکر دل نہ فتادی بہیچ باب دریغ
بگنج راہ نہ بردی دریں خراب دریغ

یہ مطلع لکھ کر معترض صاحبوں کو بھیج دیا تا کہ غالب کو در دسر نہ دیجیے، جو پوچھنا۔ صائب سے پوچھ لیجیے۔ عارف علی شاہ خراسانی نے اسی مطلع پر:

از جسم بجاں نقاب تا کے
ایں گنج دریں خراب تا کے

تین اعتراض کیے تھے۔ پہلا نقاب کے ساتھ عارض و رخ کا ذکر بھی ضرور تھا۔ وہ نہیں ہے۔ دوسرا گنج تو ویرانے ہی میں ہوتا ہے۔ پھر اس پر تاسف ہی کیا، جو کہتے ہیں۔ تا کے۔ تیسرا ویرانہ۔ کو خرابہ کہتے ہے نہ خراب اور ان اعتراضوں کے بعد انھوں نے دخل کیا تھا:

از جسم بجاں حجاب تا کے
گل بر رخ آفتاب تا کے لے

## (۲۲)

قبلہ

دیکھیے ہم عارف ہیں اور دو نامہ سے پہلے جواب نامہ لکھتے ہیں۔ دن بھول گیا ہوں۔ غالب یہ ہے کہ آج تیسرا دن ہو، صبح کو میں نے۔ آب و ہنا رسیدن۔ کی بحث میں خلاصہ تحقیق لکھ کر ارسال کیا۔ اسی دن شام کو آپ کا خط آیا۔ بقیہ جواب لکھتا ہوں۔

نقاب اس شعر میں بہ معنی حائل ہے۔ حول کو مہ و رخ کی خصوصیت نہیں۔ دو چیزوں کے بیچ میں جو شے آ جائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ جو چیز ایک چیز کی مانع نظارہ ہے۔ وہ نقاب ہے اسی شی نامرئی کا رخ بہ مناسبت نقاب مقدر ہے۔ اور یہ تقدیر جائز اور بلیغ ہے حجاب کا یہاں اوپری یعنی بے محل اور ناملائم ہونا بشرط عقل سلیم و طبع لطیف ظاہر ہے۔ گل، خاک با آب آمیختہ کو کہتے ہیں۔ وہ رخ آفتاب تک کہاں پہنچے؟ ہاں گرد و غبار میں آفتاب چھپ جاتا ہے۔

اس کا استعمال از روے مجاز جائز ہے۔

---

اعتراضات کا جواب اگلے خط میں ملاحظہ فرمائیے۔

---

گنج در ویرانہ تا کے، یہ بہت لطیف بات ہے۔ یعنی افسوس کیا جاتا ہے۔ اس گنج کے بیکار ہونے کا گنج سے غرض یہی تو نہیں کہ جنگل مدفون رہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مدفن سے نکلے اور صرف ہو۔ لوگ اس کے وجود سے تمتع پائیں۔

یہاں ایک اور دقیقہ ہے کہ اس شعر میں گنج مشبہ بہ اور روح انسانی مشبہ ہے اور

یہ سب جانتے ہیں کہ روح کا تعلق جسم سے جاودانی نہیں ۔ پس کیا قباحت ہے اگر ایک غمزدہ وستم زدہ قطع تعلق روح کا منتظر اور مشتاق ہو؟ مثلاً ایک میعادی محبوس حسرت مندانہ کہے کہ الٰہی وہ دن کب آئے گا کہ میں قید سے نجات پاؤں ۔ کب تک سڑک کاٹوں! کب تک رنج اٹھاؤں؟ فاخر مکین ایک شاعر تھا۔ شجاع الدولہ آصف الدولہ کے عہد میں اسنے سعدی ، نظامی وحزیں کے اشعار کو اصلاحیں دی ہیں ۔ جب ایک ہندوستانی بے علم ، تک مایہ اساتذہ نامی عجم کے کلام کو اصلاح دے ۔ اگر ایک عالم خراسانی نے ایک ہندی کے مطلع میں تصرف کیا تو کیا قباحت لازم آئی ، خدا کا شکر کہ مجھ کو ستر برس کی عمر میں پچاس برس کی مشق کے بعد استاد میسر آیا۔[۲]

۱۸۶۶ء

## (۲۳)

جناب عالی!

کل میرے شفیق مکرم، منشی نواب جان کا بہ احزان ۳ میں تشریف لائے۔ آپ کا سلام کہا۔ معلوم ہوا کہ خواجہ صدرالدین صاحب لشکر کے ساتھ گئے ہیں اور آپ یہیں ہیں۔ اس فصل میں کہ ابھی سے رات دن آگ برستی ہے اچھا ہوا کہ زحمت سفر نہ کھینچی۔

اجی حضرت یہ منشی ممتاز علی خاں کیا کر رہے ہیں۔ رقعے جمع کیے اور چھپوائے۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں ان کی بڑی خواہش ہے۔ جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ ان سے کہیں مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو پہنچے ہیں وہ سب یا ان کی نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو دیں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو:

تم سلامت رہو قیامت تک

پیرومرشد،

''سہل ممتنع'' میں کسرہ لام توصیفی ہے۔ سہل موصوف اور ممتنع صفت۔ اگر چہ بحسب ضرورت وزن کسرہ لام مشبع ہوسکتا ہے۔ لیکن مخل فصاحت ہے اور لام موقوف تو خود سراسر قباحت ہے۔ سہل ممتنع اس نظم ونثر کو کہتے ہے کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اس کا جواب نہ ہو سکے۔ باجملہ ممتنع کمال حسن کلام ہے اور بلاغت کی نہایت ہے۔ ممتنع درحقیقت ممتنع النظیر ہے شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشیدہ وطواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں اس شیوے کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔ خودستائی ہوتی ہے۔ سخن فہم اگر غور کرے گا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائے گا۔

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق لے مرا
برسوں پڑھے تو یاد ن ہووے سبق مرا

یہ مصرع حیرت آور ہے۔ کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہے۔ پھر یاد نہ ہونا اور حافظے پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہوسکتی۔ کلام اوق جس کا حفظ دشوار ہو، شاید کوئی قسم کلام میں سے ہو۔ ہاں کلام مغلق کو کہتے ہیں۔ سو کلام مغلق او رکلام سہل ممتنع ضد یک دیگر ہے۔ مغلق او راوق ممتنع اور سہل مغلق اور اوق کیوں کر ہو سکے گا اور حافظے میں محفوظ رہنا کلام مغلق و ادق کی صفت کیوں کر پڑے گی؟ ہاں مغلق عسیر الفہم ہوگا۔ پڑھا نہ جائے گا۔ معنی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ سہل

ممتنع کی صفت وہ تھی جو فقیر اوپر لکھ آیا۔ اس شعر سے اسے کچھ علاقہ نہیں۔ فتم

آب در بنا رسیدن۔ یہ معنی خراب بنیاد قیاسی ہے۔ اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا۔ اگر آیا ہو تو درست ہو۔ ہاں بآب رسانیدن بنا کر بظاہر آب در بنا رسیدن کا متعدی منہ ہے۔ بلغا کے کلام میں آیا ہے۔ لیکن اضداد میں سے ہے۔ ہم بمعنی ویرانی بنا مستعمل اور ہم بمعنی استحکام بنا۔ اگر اس کا لازم ڈھونڈھیے تو رسیدن بنا بہ آب، جیسا کہ نعمت خاں عالی کہتا ہے:

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا بہ آب
چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد مے سازیم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیدن بناء تا بآب موجب استحکام ہے اور شاعر وجود دلیل استحکام بنا کرنا استوار چاہتا ہے۔

صائب کہتا ہے:

چو نہ شمع تجلی ز رشک نگدازد
رخ تو خانہ آئینہ را بآب رساند

حاجی محمد جان قدسی:

بگوش عطایش رساند ایں خطاب
کہ بنیاد کاں را رساند بآب

---

[1] مشکل بدرجہ غایت دقیق

---

یہ دونوں شعر مفید ویرانی ہیں۔ قصہ مختصر بآب رسیدن خانہ و بآب رساندن متعدی آں و رسیدن آب در بنا ممنوع۔

میں ابھی بیمار ہوں اور بیمار کے واسطے انجام کو غسل صحت ہے یا غسل میت۔

والسلام ۱۴

---

۱؎ مشقت اٹھاوں، محنت میں مبتلا رہوں۔ ۲؎ ظاہر ہے کہ عبارت طنزیہ ہے۔ ۳؎ غم خانہ ۴؎ بظاہر اس وقت تک دہلی میں خطوط کی فراہمی شروع ہو چکی تھی کہ انھیں چھپوا دیا جائے۔ یہی مجموعہ میرزا کی وفات کے بعد اردوے معلی کے نام سے شائع ہوا

---

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۲۵)

قبلہ!

آپ بے شک ولی صاحب کرامت ہیں۔ کم و بیش ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ ایک امر جدید متقضی اس کا ہوا کہ آپ کو اس کی اطلاع دوں۔ خانہ کا ہلی خراب۔ آج لکھوں کل لکھوں۔ اب کون لکھے۔ کل صبح لکھوں گا۔ صبح ہوئی غالب اس وقت نہ لکھ ، سہ پہر کو لکھیو۔

آج دوشنبہ ۲۳۔ جولائی کے بارہ پر دو بجے ہرکارے نے آپ کا خط دیا۔ پلنگ پر پڑے پڑے پڑھا اور اسی طرح جواب لکھا۔ اگر چہ ڈاک کا وقت نہ رہا تھا مگر بھجوا دیا۔ کل روزانہ ہو رہے گا۔ آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب اللہ ذکاء اور نواب مصطفیٰ خاں حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا۔ ذکاء کو غزل اصلاحی کے ہر شعر کے تحت میں منشاء اصلاح سے آگہی دی جاتی ہے۔ نواب صاحب[۲] کو یوں لکھا جاتا ہے:

کہار آیا، خط لایا، ۔ آم پہنچے ۔ کچھ بانٹے، کچھ کھائے۔ بچوں کو دعا۔ بچوں کی بندگی[۳]۔ مولوی الطاف حسین[۴]

صاحب کو سلام۔

یہ تحریر اس ہفتے میں گئی ہے۔ غرض کہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب یہ عبارت جو تم کو لکھ رہا ہوں۔ یہ لائق شمول مجموعہ نثر اردو کہاں ہے۔ یقین جانتا ہوں کہ ایسی نثروں کو آپ خود نہ درج کریں گے۔

کتاب کے باب میں سرمد کی رباعی کا شعر اخیر لکھ دینا کافی ہے:

عالم مہ مرآت جمال ازلی ست
می باید دید و دم نمی باید زد

بوستان خیال کا ترجمہ موسوم بہ حدائق الانظار، معرض طبع میں ہے۔ اگر آپ یا آپ کا کوئی دوست خریدار ہو، تو جتنی مجلد فرمائیے۔ اس قدر بھجوا دوں۔ چھ روپے مع محصولڈاک قیمت ہے۔ اسی مطبع میں جس میں حدائق الانظار۔"

---

۱ یہ صحیح نہیں، ذکاء کے نام کئی خط موجود ہیں اور ایک خط مصطفیٰ خاں کے نام بھی ہے۔ نغان بے خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ غلام غوث خان نے لکھا تھا کہ کالپی، لکھنو، بریلی گورکھ پور اور اکبر آباد سے آپ کی تحریریں فراہم کیں۔ کاتب لکھ رہا ہے۔ بڑے ورقوں کے دس جزو مرتب ہو چکے ہیں۔ شاید رام پور سے بھی کچھ آ جائے۔ آپ شیفتہ، ذکاء اور سیاح کو لکھیں کہ وہ بھی آپ کے خطوط بھیج دیں۔ ۲ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، غالباً کوئی تازہ خط اس مضمون کا بھیجا ہو جس کا حوالہ دیا ہے۔ ۳ مطلب یہ کہ مکتوب الیہ کے بچوں کو دعا اور میرے بچوں کی طرف سے بندگی ۴ خواجہ الطاف حسین حالی، جو اس زمانے میں نواب مصطفیٰ خاں کے مصاحب تھے۔

---

الطباع ہوا ہے۔ اخبار بھی چھاپا جاتا ہے۔ اب کے ہفتے کا دو ورقہ بھجوا دیا جائے گا۔ بشرط پسند آئے آپ توقیع خریداری لکھ بھیجے گا۔

جناب کیمسن صاحب بہادر افسر مدارس غرب و شمال کا۔ باوجود عدم تعارف خط مجھ کو آیا۔ کچھ اردو زبان کے ظہور کا حال پوچھا تھا۔ اس کا جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی۔ مجموعہ نظم بھیج دیا۔ نثر کے باب میں تمہارا نام نہیں لکھا۔ مگر یہ لکھا

کہ مطبع الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا ہے۔ بعد انطباع وحصول وہاں سے منگا کر بھیج دوں گا۔ زیادہ حد آداب، نامہ جواب طلب۔

دوشنبہ ۲۳۔ جولائی ۱۸۶۶ء

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# انوار الدولہ شفق

انور الدولہ سعید الملک نواب سعد الدین خاں بہادر صولت جنگ متخلص بہ شفق عرف منجھلے صاحب رئیس کدورا۔ وکالپی (یو پی)

نواب نظام الملک آصف جاہ اول دریا دہلی کے نا ہنجار اوضاع سے تنگ آ کر دکن چلے گئے تو اپنے بڑے بیٹے کو غازی الدین بہادر فیروز جنگ کا موروثی خطاب دلا کر نیابت کے لیے دہلی چھوڑ گئے تھے۔ ۱۷۴۸ء میں نظام الملک فوت ہوئے تو غازی الدین خاں نے دکن کی ریاست لینی چاہی۔ دربار سے فرمان لے کر چلا۔ مرہٹوں سے مدد مانگی اور کئی علاقوں کے وثیقے ان کے نام لکھ دے۔ اورنگ آباد پہنچ کر چند روز بعد وفات پائی۔

اس کا بیٹا میر شہاب الدین دہلی میں نائب تھا۔ اسے امیر الامراء عماد الملک غاذی الدین بہادر کا خطاب ملا اور وہ وزیر اعظم بن گیا۔ یہ عجیب وغریب شخص تھا۔ عربی۔ فارسی اردو اور ترکی کا یگانہ عالم خوش ذوق شاعر، چار زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ شجاعت میں بھی کسی سے کم نہ تھا۔ لیکن ذاتی اقتدار کی ہوس میں اس نے سلطنت کو بری طرح تباہ کیا۔ آخری دور کے امیروں میں سے دو شخص ہیں، جن کی گردن پر مغل سلطنت کا خون ہے۔ ایک یہی عماد الملک، دوسرا اس کا رفیق و کارندہ آدینہ بیگ جس کے نام پر دینا نگر (ضلع گورداسپور) آباد ہوا۔

عماد الملک نے پہلے احمد شاہ (بن محمد شاہ) کو تخت سے اتارا اور عزیز الدین کو عالمگیر ثانی کے لقب سے بادشاہ بنایا۔ جب اس سے دل پھر گیا تو ایک درویش کی

زیارت کا فریب دے کر باہر لے گیا اور قتل کرا دیا۔ لیکن خود بھی چین نہ پایا۔ پہلے دکن کی طرف چلا گیا۔ پھر گوالیار کے راجا سندھیا نے جاگیر دے دی جسے باؤنی کہتے تھے۔ حج بھی کیا۔ ۱۸۰۰ء میں بہ مقام کالپی وفات پائی۔

غلام حسین خاں طباطبائی نے سیر المتاخرین میں عماد الملک کی بے باکی کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ یہ پانی پت میں تھا کہ بدخشی فوج نے تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ عماد الملک نے حکم دے دیا کہ برسر کار فوجیوں کی تنخواہ حساب کر کے دے دی جائے۔ یہ حکم ان لوگوں کو برا معلوم ہوا۔ جو بے حساب روپے کھا رہے تھے۔ ایک گروہ نے عما دالملک کی قیام گاہ کے باہر گھیرا ڈال کر شور مچانا شروع کیا۔ نواب انھیں سمجھانے کے لیے باہر آیا۔ تو شورشیوں نے اسے پکڑ لیا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ عماد الملک نے کہا کہ جو چاہو کرو۔ خواہ قتل کر ڈالو لیکن تنخواہ حساب کے مطابق دوں گا۔ آخر نواب کی ضد پوری ہوئی۔ اس مصیبت سے نجات پاتے ہی اس نے فوج مہیا کی اور بدخشیوں کو تباہ کر ڈالا۔ جو وقت کے بہترین سپاہی تھے۔

نواب صدیق حسن خاں نے قتیل کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قتیل دہلی ہوتا ہوا کالپی پہنچا اور وہاں عماد الملک کا مصاحب رہا۔ بعد میں لکھنو گیا۔ (تذکرہ شمع انجمن صفحہ ۳۹۰)

عماد الملک کا تخلص نظام تھا۔ تذکرہ شمع انجمن۔ میں اس کے شعر موجود ہیں اور ایک مثنوی کلھوڑوں کے آخری عہد میں سندھ کی تباہی پر کہی تھی۔ ایک مثنوی مولانا فخر الدین فخر عالم کی کرامتوں کے متعلق لکھی۔

شفق اس عماد الملک کا پڑوتا تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔ سعد الدین شفق افضل

الدولہ احمد بخش خاں بے تاب بن ناصر الدولہ بن عماد الملک نظام۔

شفق، پہلے امجد علی قلق کا شاگرد تھے۔ پھر میرزا غالب سے مشورہ سخن کرتا رہا۔ گلستان سخن مرتبہ میرزا صابر (جو تذکرہ صہبائی کے نام سے مشہور ہے) اردو سخن شعراء مولفہ نساخ میں شفق کے صرف اردو شعر درج ہیں۔ لیکن غالب کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فارسی شعر بھی کہتا تھا۔

تصانیف یہ ہیں: چشمہ فیض (نثر) دیوان، مثنوی مولود منظوم موسوم، بہ مخزن سعادت۔

۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) میں وفات پائی۔ شفق کا چھوٹا بھائی خواجہ نورالدین خاں عف سانولے صاحب بھی شاعر تھا اور شفق و فروغ تخلص کرتا تھا۔

## (۱)

قبلہ حاجات!

قصیدہ دوبارہ پہنچا۔ چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی۔ ناچار اس کو ایک دوورقہ پر لکھوایا اور حضور میں گزارنا اور تمنائے دیرینہ حاصل[۱] کی۔ یعنی دستخط خاص مشتمل اظہار خوشنودی طبع اقدس ہو گئے۔ احترام[۲] الدولہ بہادر میرے ہم زبان اور آپ کے ثنا خواں رہے۔ گویا اس امر خاص میں وہ شریک غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرہ اضافی و ہم بطریق کسرہ توصیفی[۳]۔ پروردگار اس[۴] بزرگوار کو سلامت رکھے کہ قدر دان کمال، بلکہ حق تو یوں ہے کہ خیر محض ہے۔

غیاث اللغات، ایک نام موقر و معزز، جیسے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے[۵]؟

---

[۱] یعنی شفق نے بہادر شاہ کی مدح میں قصیدہ بھیجا تھا جو غالب کو وساطت سے پیش ہوا اور بادشاہ نے اس پر خوشنودی کا شقہ لکھا۔ [۲] حکیم احسن اللہ خاں جو قصیدہ پیش کرنے کے وقت موجود تھے۔ [۳] شریک غالب کے دو مفہوم ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ میرزا غالب کے شریک رہے۔ یہ شرکت بہ کسرہ اضافی تھی۔ دوسرا یہ کہ بحث کام میں ان سے زیادہ مدد نہ ملی۔ گویا وہ شریک غالب تھے۔ یہ شرکت بہ کسرہ توصیفی ہوئی [۴] حکیم احسن اللہ خاں احترام الدولہ

---

[۵] ملا غیاث الدین رام پوری صاحب، غیاث اللغات۔

---

ایک معلم فرومایہ، رام پور کا رہنے والا، فارسی سے ناآشنائے محض اور صرف و نحو

میں ناتمام، انشاءخلیفہ ومنشات مادھورام کا پڑھا ے والا۔ چنانچہ دیباچہ میں اپنا ماخذ بھی اس نے خلیفہ شاہ محمد و مادھورام وغنیمت وقتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہ[1] سخن کے غول ہیں۔ آدمی کے گمراہ کرنے والے۔ یہ فارسی کو کیا جانیں۔ ہاں طبع موزوں رکھتے تھے۔

شعر کہتے تھے:

ہرزہ مشتاب و پے چارہ شناساں بردار

اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

میرا دل جانتا ہے کہ آپ کے دیکھنے کا میں کس قدر آرزومند ہوں۔ میرا ایک بھائی، ماموں کا بیٹا، نواب ذوالفقار بہادر[2] کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا تھا اور مسند نشین حال کا چچا تھا او وہ میرا ہم شیر بھی تھا۔ یعنی میں نے اپنی ممانی اور اس نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا۔ وہ باعث ہوا تھا میرے باندا بوندیل کھنڈ آنے کا۔ میں نے سب سامان سفر کر لیا ڈاک میں۔ روپیہ ڈاک کو

---

[1] یعنی غنیمت، قتیل وغیرہ۔ صحیح یہ ہے کہ ماخذ متعدد کتابوں کے علاوہ ان کا بھی ذکر ہے۔ لیکن میرزا غالب کے نزدیک انھیں مستند ماخذ میں شمار کرنا ہی فارسی دانی کی تصنیف کے لیے ایک واضح دلیل تھی۔ [2] والی باندہ بوندیل کھنڈ۔ اس خاندان کے جو حالات معلوم ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ چتر سال کے خاندان کی ایک لڑکی کسی لڑائی میں محمد خاں بنگش کے ہاتھ قید ہوئی۔ پھر باجی راؤ پیشوا نے قیدیوں کو چھڑایا تو چتر سال نے اس لڑکی کو اپنے خاندان میں لینے کے متعلق پس و پیش شروع کر دی۔ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کی قید میں رہ چکی تھی اور اس اثناء میں وہ مسلمان

ہو چکی تھی۔ باجی راؤ نے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شمشیر بہادر رکھا گیا۔ چونکہ اس کی والدہ کو مسلمان سمجھا جاتا تھا اس لیے باجی راؤ کی وفات کے بعد مرہٹوں نے ایس پیشوا کے خاندان کا فرد سمجھنے سے انکار کر دیا۔ اور باندہ بوندیل کھنڈ کا علاقہ جاگیر میں دے دیا۔ شمشیر بہادر کھلم کھلا مسلمان ہو گیا۔ وہ پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کی طرف سے لڑا تھا۔ زخمی ہوا اور بھرت پور پہنچ کر وفات پائی۔

---

اس کے بیٹے علی بہادر اول نے مادھو سندھیا کی امداد سے بوندیل کھنڈ کے علاقے فتح کیے۔ غلام قادر خاں روہیلے کو گرفتار کرنے میں مدد دی۔ جس نے شاہ عالم ہی کی آنکھیں نکالی تھیں اور ماہی مراتب کا اعزاز حاصل کیا۔ دہلی میں مرا اور قطب صاحب میں دفن ہوا۔ اس کے بیٹے ذوالفقار بہادر نے ۱۸۱۲ء میں انگریزوں سے معاہدہ کر کے نواب کا خطاب اور باندے کی ریاست حاصل کی۔ ذوالفقار بہادر غالب کی ممانی کی بہن کا بیٹا تھا۔ وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا علی بہادر دوم نواب ہوا۔ غالب نے اسی کے لیے لکھا تھا۔

---

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز
دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

---

زمانہ غدر میں علی بہادر نے انگریزوں کی جانیں بچائی تھیں۔ پھر انگریزوں کے مخالفوں کا زور بہت بڑھ گیا تو علی بہادر بھی مخالفوں کے ساتھ ہو گیا۔ اس وجہ سے باندے کی ریاست ضبط ہو گئی اور علی بہادر کو تین ہزار ماہوار پنشن دیکر اندور میں بٹھا دیا گیا۔ اسکے دو بیٹے تھے۔ ذوالفقار بہادر اور امراء بہادر، آخر الذکر کا لقب شمشیر

بہادر تھا۔ اور تخلص دلیر۔ وہ جلال لکھنوی کا شاگرد تھا۔ ۱۹۲۰ء میں اس کا دیوان شائع ہوا تھا۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ علی بہادر نے ۱۸۷۳ء میں وفات پائی۔ ۳؎ والدہ میرزا غالب۔

---

دے دیا۔ قصد یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤں گا۔ وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں باندے جا کر۔ ہفتہ بھر رہ کر کالپی ہوتا ہوا۔ آپ کے قدم دیکھتا ہوا۔ بسبیل ڈاک دلی چلا جاؤں گا۔ ناگاہ حضور والا بیمار ہو گئے اور مرض نے طول کھینچا۔ وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا اور پھر مرزا اورنگ خاں ۲؎، میرا بھائی مر گیا:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

واللہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا، مگر میں نتیجہ اس شکل کا آپ کے دیدار کو سمجھا ہوا تھا۔ ہرزہ سرائی کا جرم معاف کیجئے گا۔ میرا جی آپ کیساتھ باتیں کرنے کو چاہا۔ اس واسطے جو دل میں تھا وہ اس عبارت سے زبان پر آیا۔

۱۸۵۳ء

## (۲)

کیوں کر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں؟ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔واہ کیا ہوشمندی ہے کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں نہ القاب ،نہ آداب نہ بندگی نہ تسلیم

سن غالب سن ہم تجھ سے کہتے ہیں بہت مصاحب نہ بن، ایاز حد خود شناس ، مانا کہ تو نے کئی برس کے بعد رات کو نوبیت کی غزل لکھی ہے۔اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہے۔مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے۔پہلے القاب لکھ۔پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ۔پھر عنایت نامہ کے آنے کا شکریہ ادا کر کہ جو میں تصور کر رہا تھا۔وہ ہوا یعنی جس دن صبح کو میں نے خط بھیجا۔اسی دن آخر روز حضور کا فرمان پہنچا۔معلوم ہوا کہ حرارت ہنوز باقی ہے۔ان شاءاللہ رفع ہو جائے گی۔موسم اچھا آ گیا ہے۔

گرمی از آب بروں رفت و حرارت ز ہوا
محل مہر جہاں تاب بہ میزاں آمد

اگر صرف تبرید و تعدیل سے کام نکل جائے تو کیا کہنا۔ورنہ بحسب رائے طبیب تنقیہ کرائیے۔مجھ کو بھی آج دسواں منضج ہے۔پانچ سات دن کے بعد مسہل ہو گا۔

شب کو ناگاہ ایک نئی زمین خیال میں آئی۔طبیعت نے راہ دی۔غزل تمام کی۔ اسی وقت سے یہ خیال میں تھا کہ کب صبح ہو اور کب یہ غزل نواب صاحب کو بھیجوں ،خدا کرے آپ پسند کریں اور میرے قبلہ جناب میر امجد علی صاحب کو سنا دیں او

رمیرے شفیق منشی نادر حسین خاں اور ان کے بھائی صاحب اس کو پڑھیں ۔
پروردگار اس مجمع کو سلامت رکھے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# غزل

اے ذوق نوا سنجی، با زم بہ خروش آور
غوغاے شبیخو نے، بر بنگہ ہوش آور
گرخود نہ جہد از سر ، از دیدہ فر دبارم
دل خون کن و آں را در سینہ بہ جوش آور

---

۱بہادر شاہ ثانی ۲یا اوزبک خاں ۳خطوط غالب میں اسے ۱۸۵۶ء کا بتایا گیا۔لیکن یہ بداہتہ غلط ہے۔اس میں بہادر شاہ ثانی کی بیماری کا ذکر ہے۔وہ جولائی ۱۸۵۳ء میں سخت بیمار ہوئے تھے۔یہاں تک کہ جانبری کی امید نہیں رہی تھی۔یہ خط یقیناً ۱۸۵۳ء کا ہے۔ناورات غالب میں منشی بنی بخش حقیر کے نام ایک خط سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔(ص ۴۵)

---

ہاں ہمدم فرزانہ، دنی رہ ویرانہ
شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش آور
شورابہ ایں وادی تلخ است ، اگر راوی
از شہر بسوے من، سرچشمہ نوش آور
دانم کہ زرے داری، ہر جا گزرے داری
مے گر نہ دہد سلطان ، از بادہ فروش آور
گرمغ بہ کدو ریزد،برکف نہ و راہی شو
درشہ بہ سبو بخشد، بردار و بدوش آور

گاہے بہ سبک دستی، زاں بادہ، ز خویشم بر
گاہے بہ سیہ مستی، از نغمہ بہ ہوش آور
غالب کہ بقایش باد ہم پاے توگر ناید
بارے غزلے ، فروے ، زاں موینہ پوش آور
دوشنبہ ۲۱ ، محرم ۱۲۷۲ھ (۲، اکتوبر ۱۸۵۵ء)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۳)

للہ شکر کر پیر و مرشد کا مزاج اقدس بہ خیر و عافیت ہے۔ پہلے نوازش نامہ کا جواب، با آنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا۔ ہنوز لکھنے نہیں پایا کہ کل ایک مکرمت نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسہل میں ہوں۔ چنانچہ کل تیسرا مسہل ہو گیا۔ اس سبب سے توقیع کا پاسخ نگارن ہو سکا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا۔ جو آپ نے لکھا ہے۔

ارنی کی ایک دے کی حرکت و سکون کے باب میں قول فیصل یہی ہے۔ جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے اور ارنی بروزن چمنی گنجائش پائے تو نعم الاتفاق ورنہ قاعدہ تصرف مقتضی جواز[۱] ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل:

چو رسی بطور ہمت آرنی مگو و بگریز
کہ نیر زد ایں تمنا بجواب لن ترانی

اسداللہ بیگ غالب:

رفت آنکہ ما ز حسن مدار طلب ۲ کنیم
سر رشتہ در کف ارنی گوے طور بود

زوائدے سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہاے کیا غزل لکھی۔ قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے۔ کیا پاکیزہ زبا ہے اور کیا طرز بیان؟ کیا میں سخن ناشناس اور نا انصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حک و اصلاح پر جرات کروں؟:

چہ حاجت ست بمشاطہ روے زیبارا

---

[۱] یعنی رے کو ساکن باندھا جا سکتا ہے۔ [۲] کلیات فارسی کے پہلے ایڈیشن (۱۸۲۳ء)

اور بعد کے ایڈیشنوں میں طلب کی جگہ طمع ہے۔

ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں:

اے مطرب جادو فن ، بازم رہ ہوشم زن

دو میم آ پڑے ہیں۔ایک میم محض بیکار ہے۔دیگر آپ بازم لکھ گئے ہیں:

اے مطرب جادہ فن دیگر رہ ہوشم زن

اب دیکھیے اور صاحبوں کی غزلیں کب آتی ہیں۔اتنی عنایت فرمایئے گا کہ ہر صاحب کے تخلص کے ساتھ ان کا اسم مبارک اور کچھ حال رقم کیجئے گا۔زیادہ حد آداب۔

پنجشنبہ، ششم صفر ۱۲۷۲ھ و ہشتم و ہم اکتوبر ۱۸۵۵ء

(۴)

پیرومرشد،

حضور کا توقیع خاص اور آپ کا نوازش نامہ، یہ دونوں حزر بازو ایک دن اور ایک وقت پہنچے۔ توقیع کا جواب دو چار دن میں لکھوں گا۔ ناسازی مزاج مبارک موجب تشویش و ملال ہوئی۔ اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مرض باقی نہیں، مگر ضعف باقی ہے۔ لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانے کے اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں۔ سینتیس روپے کی ہنڈوی پہنچی۔ اس کا بھی حال سابق کی ہنڈوی کا سا ہے۔ یعنی ساہوکار کہتا ہے کہ ابھی ہم کو کالپی کے ساہوکار کی اجازت نہیں آئی، جو ہم روپیہ دیں۔ اگر سرکار کے ساہوکار سے کہہ کر اجازت لکھوا بھیجیں تو مناسب ہے۔

صہبائی کے تذکرے کی ایک جلد میری ملک میں سے میرے پاس تھی۔ وہ میں اپنی طرف سے بہ سبیل ارمغان آپ کو بھیجتا ہوں۔ نذر قبول ہو۔ اب میں حضرت سے باتیں کر چکا خط سرنامہ کر کے کہار کر دیتا ہوں کہ ڈاک میں دے آوے۔ بارہ پر دو بجے کتاب کا پارسل بطریق بیرنگ روانہ کروں گا۔

پیشگاہ وزارت! میں میری بندگی پہنچے۔ عرضداشت بعد اس کے پہنچے گی۔ جناب میر صاحب قبلہ میر امجد علی صاحب کو سلام نیاز اور جناب منشی نادر حسین کو سلام۔

## (۵)

پیرومرشد،

اگر میں نے امید کاہ بکاف عربی ازراہ شکوہ لکھا تو کیا گناہ کیا؟ نہ خط کا جواب، نہ قصیدے کی رسید،

دریں خستگی پوزش از من مجوے
بود بندہ خستہ گستاخ گوے

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ ان موانع کے سبب سے میں قصیدہ کی تحسین نہیں لکھ سکا، بندہ بے ادب نہیں۔ تحسین طلب نہیں۔ ایسے مجمع میں محشور رہوں کہ سوائے احترام الدولہ[1] کے کوئی سخن دان نہیں۔ جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں۔

واے برجان سخن گر بہ سخنداں نہ رسد

افسوس کہ میرا حال اور یہ لیل ونہار، آپ کی نظر میں نہیں۔ ورنہ آپ جانیں کہ اس بجھے ہوئے دل اور اس ٹوٹے ہوئے دل اور اس مرے ہوئے دل پر کیا کر رہا ہوں۔

نواب صاحب اب نہ دل میں وہ طاقت نہ قلم میں زور، سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے۔ بے تامل اور بے فکر جو خیال میں آجائے۔ وہ لکھ لوں۔ ورنہ فکر کی صعوبت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ بقول مرزا عبدالقادر بیدل:

---

[1] غالباً انورالدولہ کے والد مراد ہیں اور انھیں کو ابتداء میں حضور کہا ہے

جہد باد ر خور توانائی ست

ضعف یکسر فراغ مے خواہد

مہر کا حال معلوم ہوا۔ پہلے آپ لکھ بھیجے کہ کیا کھودا جائے گا۔ مہدی حسن خاں مہدی حسن خاں بہادر لکھ رہا ہوں۔ صرف یاد پر لکھ رہا ہوں۔ ورنہ خط لڑکوں نے کھو دیا ہے۔ یاد پڑتا ہے۔ کہ نگینہ وہاں سے بھیجنے کو آپ نے لکھا۔ سو مکرر خواہاں ہوں کہ یہ معلوم ہو جائے کہ نگینہ بھیجے گا یا یہاں سے خریدا جائے گا۔ اور نقش نگیں کا ہوگا؟ تا کہ شمار حروف کا مجھ کو معلوم رہے۔ اب جب آپ مجھ کو لکھیں گے تب میں اس کا جواب لکھوں گا۔ حافظ صاحب کا پہنچنا تقریباً معلوم ہوا۔ یعنی ان کی طرف سے آپ نے مجھ کو سلام لکھا ہے۔ سو میں بھی ان کی خدمت میں بندگی اور جناب منشی نادر حسین کی جناب میں سلام عرض کرتا ہوں۔ زیادہ حد ادب

## (۶)

پیرومرشد،

یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا۔

خلاصہ عرض یہ ہے کہ آج شہر میں بدرالدین علی خاں کا نظیر نہیں۔ بس مہر اور کون کھود سکے گا؟ ناچار میں نے آپ کا نوازش نامہ، جو میرے نام تھا۔ وہ ان کے پاس بھجوا دیا۔ انھوں نے رقعہ میرے نام آج بھیجا۔ سو وہ رقعہ حضرت کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ میں نہیں سمجھا کہ قسم دوم پکھراج کی کیا ہے۔ آپ پڑھ لیں اور سمجھ لیں اور نگیں بہ احتیاط ارسال فرما دیں۔ پھر روپے کے بھیجنے کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ جب میں عرض کر دوں تب بھیجے گا۔

تعجب ہے کہ جناب میر امجد علی صاحب قلق کا اس خط سلام نہ تھا۔ متوقع ہوں کہ چھاپے کے قصیدے ان کو سنا دیے جائیں اور میری بندگی کہی جائے۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو میرا سلام بہ ہزار اشتیاق پہنچے۔

مرقومہ یکشنبہ، ۲۹ جون ۱۸۵۶ء

## (۶)

پیرومرشد،

یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہ کہ میں ارتعاب و آداب نہیں لکھتا۔

خلاصہ عرض یہ ہے کہ آج شہر میں بدرالدین علی خاں کا نظیر نہیں۔ بس مہر اور کون کھود سکے گا؟ ناچار میں نے آپ کا نوازش نامہ جو میرے نام تھا۔ وہ ان کے پاس بھجوا دیا۔ انھوں نے رقعہ میرے نام آج بھیجا۔ سو وہ حضرت کی خدمت مین بھیجتا ہوں۔ میں نہیں سمجھا کہ قسم دوم پکھراج کی کیا ہے؟ آپ پڑھ لیں اور سمجھ لیں اور نگیں بہ احتیاط ارسال فرمادیں۔ پھر روپے کے بھیجنے کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ جب میں عرض کروں۔ تب بھیجے گا۔

تعجب ہے کہ جناب میر امجد علی صاحب قلق کا اس خط میں سلام نہ تھا۔ متوقع ہوں کہ چھاپے کے قصیدے انکو سنا دیے جائیں اور میری بندگی کہی جائے۔ جناب منشی نادر حسین خاں کو میرا سلام بہ ہزار اشتیاق پہنچے۔

مرقومہ یکشنبہ، ۲۹ جون ۱۸۵۶ء

---

۱ حکیم احسن اللہ خاں۔

قبلہ و کعبہ۔

وہ عنایت نامہ، جس میں حضرت نے مزاج کی شکایت لکھی تھی۔ پڑھ کر بے چین ہو گیا ہوں اور عرض کر چکا ہوں کہ مزاج کا حال مفصل لکھیے۔ چونکہ آپ نے کچھ نہیں لکھا تو اور زیادہ مشوش ہوں۔ نسخہ رفع تشویش یعنی شفقت نامہ جلد بھیجیے۔

جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ حضرت میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ متوقع ہوں کہ دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچے اور آپ ان کی خیر و عافیت لکھیں۔

کبوتروں کا نسخہ جیسا کہ میرے پاس آیا، بجنسہ ارسال کرتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ میر ن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنو کے، نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلماء نقش نگیں س میر حسین ابن علی ۲۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی۔ اس میں پانچ بڑھتے تھے۔ یعنی ۱۲۷۸ء ہوتے تھے۔ تخرجہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا۔ میں جانتا ہوں اچھا ہے۔ دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں۔

حسین ابن علی آبروے علم و عمل
کہ سید العلماء نقش خاتمش بودے
نہ ماند و ماندے اگر زندہ پنج سال وگر
غم حسین علی سال ماتمش بودے

زیادہ حد اب، عرضداشت جواب طلب۔

دوشنبہ بہ حساب تقویم یازوہم واز روے رویت دہم ربیع الاول ۱۲۷۳ھ

(۱۰۔نومبر ۱۸۵۶ء)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

حضرت پیرومرشد،

اگر آج میرے سب دوست عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم وہ باہم ہوتے تو میں کہتا کہ آؤ اور رسم تہنیت بجالاؤ۔ خدا نے پھر وہ دن دکھایا کہ ڈاک کا ہرکارہ انوارالدولہ کا خط لایا۔

ایں کہ مے بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

منہ پیٹتا ہوں اور سر پٹکتا ہوں کہ جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ نہیں لکھ سکتا، الٰہی حیات جاودانی نہیں مانگتا۔ پہلے انوارالدولہ سے مل کر سرگزشت بیان کروں۔ پھر اس کے بعد مروں۔ روپیہ کا نقصان اگرچہ جانکاہ و جانگزا ہے۔

۱؎ سے محمد جو سید میرن کے بڑے بھائی تھے۔ پیدائش ۷ اصفر ۱۱۹۷، وفات ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۸۴ء ۳؎ پیدائش ۱۴۔ ربیع الثانی ۱۲۱۱ء وفات ۱۸ صفر ۱۲۷۳ء بن سید دلدار علی

پر بموجب تلف المال خلف العمر عمر فزا ہے۔ جو روپیہ ہاتھ سے گیا اس کو عمر کی قیمت جانیے او راثبات ذات اور بقائے عرض و ناس کو غنیمت جانیے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ؔوزیر اعظم کو سلامت رکھے۔ اور اس خاندان کے نام ونشان اور عز و شان کو برقرار تا قیامت رکھے۔ میں نے گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیسویں جولائی ۱۸۵۸ء تک کی روداد، نثر میں بعبارت فارسی نا آمیختہ بعربی لکھی ہے۔ اور وہ پندرہ سطر کے مسطر سے چار جزو کی کتاب آگرہ کو مفید الخلائق میں چھپنے کو گئی ہے۔ دستنبو اس کا نام رکھا ہے اور اس میں صرف اپنی سرگزشت اور مشاہدے کے بیان سے کام

رکھا ہے۔ بعد چھپ جانے کے وہ نسخہ حضرت کی نظر سے گزرانوں گا اور اس کو ہم سختی اور ہم زبانی جانوں گا۔

جناب میر احمد علی صاحب کا جو آپ کے خط میں ذکر نہیں آیا ہے تو اس خیر خواہ احباب کا دل گھبرایا ہے۔ اب جو خط لکھیے تو ان کی خیر و عافیت بہر نمط لکھیے۔ ان کو بندگی اور جناب منشی نادر حسین صاحب کو سلام پہنچے۔

اکتوبر ۱۸۵۸ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۹)

پیر و مرشد،

ایک نوازش نامہ آیا اور دستنبو کے پہنچنے کا مژدہ پایا۔ اس کا جواب یہی کہ کار پردازان ڈاک کا احسان مانا اور اپنی محنت کو رائگاں نہ جانا۔ چند روز کے بعد ایک عنایت نامہ اور پہنچا، گویا ساغر التفات کا دوسرا دور پہنچا۔ اب ضرور آ پڑا کہ کچھ حال اس ستارہ دار کا لکھوں۔ چنانچہ جس وقت سے وہ خط پڑھا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں۔ چونکہ بہ سبب فقدان اسباب، یعنی عدم رصد و کتاب، کچھ نہیں کہا جاتا۔ ناچار مرزا غالب کا مصرع زبان پر آ جاتا ہے:

ازیں ستارہ دنبالہ دارمے ترسم

یہ مطلع ہے اور پہلا مصرع یہ ہے:

زخا لی گوشۂ ابروے یارمی ترسم

کیا آپ مجھ کو بے ہنری اور ہیچ میرزیک میں صاحب کمال نہیں جانتے اور خاص عبارت فارسی کو میرا مصداق حال نہیں مانتے، پیش ملا طبیب و پیش طبیب ملا۔ پیش ہیچ ہر دو، پیش ہر دو ہیچ؟ آرایش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف کچھ نجوم لگا رکھا ہے۔ ورنہ سوائے موزونی طبع کے اور یہاں کیا رکھا ہے۔ بہ ہر حال علم نجوم کے قاعدے کے موافق جب زمانے کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ تب سطح فلک پر یہ شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ جس برج میں یہ نظر آئے۔ اس کا درجہ و دقیقہ دیکھتے ہیں۔ ذوذنابہ ۲ کا مر ۳ اور طریقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کے جال ڈالتے ہیں،

۱؎ غالباً یہ غدر کے نقصان کی طرف اشارہ ہے اور وزیر اعظم سے مراد شفق کے والد ہیں۔ ۲؎ جھاڑو کی مانند ستارہ۔ اگر طلوع کے وقت اس کی شعاعیں مشرق کی طرف ہوں تو ذوذنابہ کہلاتا ہے ۳؎ گزرگاہ، راستہ،

تب ایک حکم نکالتے ہیں۔ شاہجہان آباد میں غروب آفتاب افق غربی شہر پر نظر آتا تھا اور چونکہ ان دنوں میں آفتاب اول میزان میں تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے۔ درجہ و دقیقہ کی حقیقت نامعلوم رہی۔ بہت دن شہر میں اس ستارہ کی دھوم رہی۔ اب دس بارہ دن سے نظر نہیں آتا۔ وہاں شاید اب نظر آیا ہے، جو آپ نے اس کا حال پوچھا ہے۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ صورتیں قہر الٰہی کی ہیں اور دلیلیں ملک کی تباہیکی۔ قران النحسین ۲؎ پھر کسوف ۳؎ پھر خسوف ہے۔ پھر یہ صورت پر کدورت۔ عیاذاً باللہ و پناہ بخدا!

یہاں پہلی نومبر کو، بدھ کے دن ۵؎ حسب الحکم حکام کوچہ و بازار میں روشنی ہوئی اور شب کو کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ جانا اور قلمرو ہند کا بادشاہی عمل میں آنا سنایا گیا۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر کو ملکہ معظمہ انگلستان نے فرزند ارجمند کا خطاب دیا اور اپنی طرف سے نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ میں قصیدہ اس تہنیت میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ چنانچہ بشمول دستنبو نظر سے گزرا ہوگا۔

تا نہال دوستی کے بر دہد
حالیا رفیم و تخمے کا شتیم

اللہ، اللہ، اللہ ۶؎

جمعہ پنجم نومبر ۱۸۵۸ء

## (۱۰)

پیرومرشد،

کیا حکم ہوتا ہے؟ احمق بن کر چپ ہو رہوں یا جواز روے کشف یقینی مجھ پر حالی ہوا ہے وہ کہوں؟ اول رجب میں نوازش نامہ آپ نے کب بھیجا؟ آخر میرے پاس پہنچ ہی گیا یہ جواب بھیجا۔ اگر روانہ ہوا ہوتا تو وہ بھی پہنچ گیا ہوتا۔ ے بہر حال محبت کی گرمی ہنگامہ ہے۔ یہ جملہ محض آرایش عنوان نامہ ہے۔

عمرت دراز کہ ایں ہم غنیمت است

پنسن داروں کا اجرا، پنسن اور اہل شہر کی آبادی مسکن یہاں اس صورت ہے جیسی اور کہیں ہے۔ اور جگہ سیاست ہے کہ منجملہ ضروریات ریاست ہے۔ یہاں قہر الٰہی ہے کہ منشاء تباہی ہے۔ خاص میرے پنس کے

---

۱؎ اس سے ظاہر ہے کہ دم دار ستارہ نکلا تھا۔ جس کے متعلق انوار الدولہ نے غالب سے اس لیے استفسار کیا کہ شہرت کے مطابق انھیں نجوم میں بھی روک حاصل تھا۔ ۲؎ دو منحوس ستاروں۔ ۳؎ سورج گرہن ۴؎ چاند گرہن ۵؎ یکم نومبر (۱۸۵۸) کو بدھ نہیں پیر کا دن تھا۔ اسی حساب کے مطابق جمعہ کو ۵۔ نومبر ہوگی۔ بظاہر میرزا اسے دن کے سلسلے میں سہو ہوا۔ ۶؎ اس خط میں نام کی جگہ لکھا ہے۔ چرا گویم کہ نامہ کیست؟ خود مے دانند کہ نامہ نگار کیست؟ ے عبارت کو مقفیٰ بنانے کے اہتمام میں ذرا پیچیدگی ہوگئی۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اب جو خط بھیجا۔ مل گیا، اگر پہلے بھیجا ہوتا تو وہ کیوں نہ پہنچتا؟

باب میں گورنمنٹ سے رپورٹ طلب ہوئی ہے۔ ابناء روزگار حیران ہیں کہ یہ بھی ایک بات عجب ہوئی ہے۔ رپورٹ کی روانگی کی دیر ہے چند روز اور بھی قسمت کا پھیر ہے۔ دلی علاقہ لفٹنٹ گورنر سے انقطاع پا گئی اواحاطہ پنجاب کے تحت حکومت آ گئی! رپورٹ یہاں سے لاہور اور لاہور سے کلکتہ جائے گی اور اسی طرح پھیر کھا کر نوید حکم منظوری آئے گی۔

فعل لازم کو جب متعدی کیا چاہیے تو پہلے مضارع میں سے مصدر بنالینا چاہیے۔ گشتن مصدر اصلی گردو مضارع، گرویدن۔ مصدر مضارعی، گرداندن و گردانیدن، مصدر متعدی۔ موافق قاعدے کے کردن کا متعدی کناندن و کنانیدن نہ کہ کراندن، کراندن تو کرانے کی فارسی ہے۔ جیسے چلنے کی فارسی چلیدن، ہے اور یہ شوخی طبع و ظرافت ہے۔ نہ اس میں صحت ہے نہ لطافت ہے۔ کراندن بنا کر گرداندن و رویاندن لکھیں گے۔ بلغا کے کلام میں کردن کا متعدی شاید کہیں نہ آیا ہو۔ اگر آیا ہوگا و کنایندن آیا ہوگا۔ کراندن ٹکسال باہر ہے۔

تذکیر و تانیث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دہی بعض کہتے ہیں وہی اچھا بعض کہتے ہیں وہی اچھی۔ قلم کوئی کہتا ہے قلم ٹوٹ گیا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ قلم ٹوٹ گئی ہے۔ فقیر دہی کو مذکر بولتا ہے۔ اور قلم کو بھی مذکر جانتا ہے۔ علی ہذا القیاس۔

شنگرف بھی مذبذب ہے۔ کوئی مذکر اور کوئی مونث کہتا ہے۔ میں تو شنگرف کو مونث کہوں گا۔ خلاصہ یہ کہ اس ہیچمداں کے نزدیک کردن، کا متعدی کنانیدن ہے شنگرف مونث۔

خداوند، آئین بندہ پروری بھول نہ جاؤ۔ گاہ گاہ نامہ و پیام بھیجتے رہو۔ کیا میں

کہہ نہیں سکتا کہ میں نے اس عرصے میں دو خط بھیجے اور آپ نے ایک کا جواب نہیں لکھا؟ ہاں یہ عرض کرتا ہوں۔ آج صبح کو آپ کا خط آیا۔ ادھر پڑھا اور ادھر جواب لکھا۔ سچ یوں ہے کہ ڈاک میں اکثر خطوط تلف ہو جاتے ہیں۔ بیرنگ پر ضائع ہونے کا گمان کم ہے۔ اس دستور کا بادی! اور ربانی میں ہوتا ہوں۔ یہ خط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ آپ بھی اب جب کبھی بفرض محال خط بھیجے تو بیرنگ بھیجے۔ زیادہ حد ادب۔

نگاشتہ چہارشنبہ سوم شعبان (۱۸۵۹ء)

ونہم مارچ سال حال (۱۸۵۹ء)

## (۱۱)

پیرومرشد بارہ بجے تھے۔ میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا حقہ پی رہا تھا۔ کہ آدمی نے آ کر خط دیا۔ میں نے کھولا پڑھا۔ بھلے کو انگر کھایا کرتا گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جاتا؟ نقصان میرا ہوتا۔

---

۱ پہلے دہلی کا تعلق صوبہ غرب وشمال سے تھا ۱۸۵۷ء کے بعد اسے پنجاب میں شامل کر دیا گیا ۲ ابتدا کرنے والا۔

---

سرے سے سنیے آپ کا قصیدہ بعد اصلاح بھیجا۔ اس کی رسید آئی۔ کئی کٹے ہوئے شعر الٹے آئے۔ ان کی قباحت پوچھی گئی۔ قباحت بتائی گئی۔ الفاظ قبیح کی جگہ بے عیب الفاظ لکھ دیے گئے۔ لو صاحب یہ اشعار بھی قصیدہ میں لکھ لو۔ اس نگارش کا جواب آج نہیں آیا۔ شاہ اسرارالحق کے نام کے نام کا کاغذ ان کو دیا۔ جواب میں جو کچھ انھوں نے زبانی فرمایا۔ آپ کو لکھا گیا۔ حضرت کی طرف سے اس تحریر کا بھی جواب نہ ملا:

پرہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا!
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

سوچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے۔ تلف ہونا کسی طرح متصور نہیں۔ اب خیر بہت دن کے بعد شکوہ کیا لکھا جائے۔ باسی کڑھی میں ابال کیا آئے، بندگی، بیچارگی

پانچ لشکر کا حملہ پے در پے اس شہر پر ہوا۔ پہلا باغیوں کا لشکر۔ اس میں اہل شہر

کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں کا، اس میں جان و مال ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر لٹ گئے۔ تیسرا لشکر کال کا، اس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضے کا، اس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے پانچواں لشکر تپ کا۔ اس میں تاب وہ طاقت عموماً لٹ گئی۔ مرے آدمی کم، لیکن جس کو تپ آئی۔ اس نے پھر اعضا میں طاقت نہ پائی۔ اب تک اس لشکر نے شہر سے کوچ نہیں کیا۔ میرے گھر وہ آدمی تپ میں مبتلا ہیں۔ ایک بڑا لڑکا اور ایک میرا داروغہ، خدا ان دونوں کو جلد صحت دے۔

برسات یہاں بھی اچھی ہوئی ہے۔ لیکن نہ ایسی کہ جیسی کالپی اور بنارس میں، زمیندار خوش، کھیتیاں تیار ہیں۔ خریف کا بڑا پایا ہے۔ ربیع کے واسطے پوہ ماہ میں مینہ درکار ہے۔ کتاب کا پارسل پرسوں ارسال کیا جائے گا۔

ہاہاہاہا، جناب حافظ محمد بخش صاحب، میری بندگی،، مغل علی خاں غدر سے کچھ پہلے مستسقی ہو کر مر گئے۔ ہے ہے کیونکر لکھوں؟ حکیم رضی الدین خاں کو قتل عام میں ایک خاکی نے گولی ماردی اور احمد حسین خاں ان کے چھوٹے بھائی اسی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں کے دو بیٹے رخصت لے کر آئے تھے۔ غدر کے سبب نہ جا سکے۔ یہیں رہے۔ بعد فتح دہلی دونوں بے گناہوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خاں ٹونک میں ہیں۔ زندہ ہیں۔ پر یقین ہے کہ مردے سے بدتر ہونگے۔ میر چھوٹم نے بھی پھانسی پائی۔ حال صاحبزادہ میاں نظام الدین کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر شہر سے بھاگے تھے۔ وہاں وہ بھی بھاگ گئے تھے۔ بڑودہ میں رہے۔ اورنگ آباد میں رہے، حیدر آباد میں رہے۔ سال گزشتہ یعنی جاڑوں میں یہاں آئے۔ سرکار

سے انکی صفائی ہوگئی۔ لیکن صرف جان بخشی۔ روشن الدولہ کا مدرسہ، جوعقب کوتوالی چبوترہ ہے۔ وہ اور خواجہ قاسم کی حویلی، جسمیں مغل علی خاں مرحوم رہتے تھے وہ، اور خواجہ صاحب کی حویلی، یہ املاک خاص حضرت کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی قرار پاکر ضبط ہوگئی۔ اور نیلام ہوکر روپیہ سرکار میں داخل ہوگیا، ہاں قاسم جان کی حویلی کے کاغذ میاں نظام الدین کی والدہ کے نام کیے ہیں وہ، انکو یعنی میاں نظام الدین کی والدہ کو مل گئی ہے۔ فی الحال میاں نظام الدین پاک پٹن گئے ہیں۔ شاید بہاول پور بھی جائیں گے۔

(۱۸۶۰ء)

---

[۱] بعض نسخوں میں ہے: پرہوں میں شکوے سے یوں، راگ سے جیسے باجا دیوان میں بھی پہلا مصرع اسی طرح ہے۔ [۲] انگریزوں کے لشکری خاکی غالباً اس بنا پر کہا گیا کہ ان کی وردی خاکی رنگ کی تھی [۳] باقر علی خاں ابن عارف جو غالب کے گھر میں پرورش پا رہا تھا۔ [۴] غالب کا دوست جو شاہی دربار میں مختاری کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ [۵] فرزند شیخ نصیر الدین عرف کالے میاں جو بہادر شاہ ظفر کے پیر تھے۔

(۱۲)

پیرو مرشد معاف کیجئے گا
میں نے جمنا کا کچھ نہ لکھا حال

یہاں کبھی کسی نے اس دریا کی کوئی حکایت ایسی نہیں کی جس سے استبعاد اور استعجاب پایا جائے۔ پرسش کے بعد بھی کوئی بات نہیں سنی۔ سنیے تو سہی۔ موسم کیا ہے۔ گرمی جاڑا، برسات تین فصلیں اکٹھی ہوگئی ہیں تگرگ باری علاوہ اگر ایک بحرِ رواں کی حقیقت متغیر ہوجائے تو محل استعجاب کیوں ہو؟ اور یہ بات کہ دلی میں تغیر نہ ہو اور پورب میں ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جمنا بہ انفراد بہ ارہی ہے اور وہاں کہیں۔ کہیں کوئی اور ندی اور کہیں گنگا باہم مل گئی ہیں۔ مجمع البحار ہے۔

حضرت نے خوب وکالت کی! مولانا قلق سے تقصیر میری معاف نہ کروائی۔ کہہ دو گے کہ گناہ معاف ہوگیا۔ میں بغیر سارٹیفکیٹ کے کب مانوں گا؟

یہ دن مجھ پر برے گزرتے ہیں۔ گرمی میں میرا حال بعینہ وہی ہوتا ہے۔ جیسے زبان سے پانی پینے والے جانوروں کا۔ خصوصاً اس تموز میں کہ غم وہم کا ہجوم ہے۔

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟
سوز غم ہائے نہانی اور ہے

یوم الخمیس ۲۹۔ ذی الحجہ (۱۲۷۶ھ)
مرگ کا طالب، غالب
(۱۹۔ جولائی ۱۸۶۰ء)

پیرومرشد،

شب رفتہ کو مینہ برسا، ہوا میں فرط برودت سے گزند پیدا ہوگیا۔ اب صبح کا وقت ہے۔ ہوا ٹھنڈی بے گزند چل رہی ہے۔ ابر تنگ محیط ہے۔ آفتاب نکلا ہے پر نظر نہیں آتا ہے۔ میں عالم تصور میں آپ کو مسند عزو جاہ پر جانشین اور منشی نادر حسین خاں صاحب کو آپ کا جلیس مشاہدہ کرکے آپکی جناب میں کورنش بجالاتا ہوں اور منشی صاحب کو سلام کرتا ہوں۔ کافر نعمت ہو جاؤں گی۔ اگر یہ مدارج بجا نہ لاؤں۔ حضرت نے اور منشی صاحب نے میری خاطر سے کیا زحمت اٹھائی ہے۔ بھائی صاحب! بہت خوشنود ہوئے۔ منت پذیری میں میرے شریک غالب ہیں۔ فی الحال بہ توسط میرے سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔ اغلب ہے کہ نامہ جداگانہ بھی ارسال کریں۔

حضرت، آپ غالب کی شرارتیں دیکھتے ہیں۔ سب کچھ کہے جاتا ہے۔ اور اس اصل کا جس پر یہ مراتب متفرع ہوں، ذکر نہیں کرتا۔ فقیر کو تو یہ طرز پسند نہ آئی۔ مطلب اصلی کو مقدر چھوڑ جانا کیا شیوہ ہے یوں لکھنا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ۔ اس کے ساتھ نسب نامہ خاندان مجد دعلا کا پارسل پہنچا۔ میں ممنوں ہوا۔ نواب ضیاء الدین خاں بہادر ممنون شاکر ہوئے۔ جناب عالی میں تو غالب ہرزہ سرا کا معتقد نہ رہا۔ آپ نے اس کو مصاحب بنا رکھا ہے۔ اس سے اس کا دماغ چل گیا ہے۔ قبلہ و کعبہ جناب مولانا قلق کی خدمت میں حضرت شفق نے جو غالب کی شفاعت کی

تھی۔وہ مقبول نہ ہوئی۔اب جناب ہاشمی کو اپنا ہم زبان مددگار بنا کر پھر کہتے ہیں۔ آپ کی بات اس باب میں کبھی نہ مانوں گا۔ جب تک سید صاحب کا خوشنودی نامہ نہ بھجوائے گا۔اس سارٹیفکیٹ کے حصول میں رشوت دینے کو بھی موجود ہوں۔

والسلام

---

۱؎ یعنی اکیلی

---

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۴)

پیرومرشد!

کورنش، مزاج اقدس؟

الحمدللہ تو اچھا ہے!

حضرت! دعا کرتا ہوں۔

پرسوں آپ کا خط مع سارٹیفکٹ کے پہنچا۔ آپ کو مبدفیاض، اشرف الوکلاء خطاب ملا۔ مختانہ مختانہ[۲]۔

ایک لطیفہ نشاط انگیز سنیے۔ ڈاک کا ہرکارہ۔ جو بلی ماروں[۳] کے خطوط پہنچاتا ہے۔ ان دنوں میں ایک بنیا پڑھا لکھا، حرف شناس کوئی فلاں ناتھ، ڈھمک داس[۴] ہے۔ میں بالاخانہ میں رہتا ہوں۔ حویلی میں آ کر اس نے داروغہ کو خط دے کر مجھ سے کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مبارک ہو۔ آپ کو جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا۔ اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا۔ حیران کہ یہ کہتا ہے۔ سرنامہ غور سے دیکھا۔ کہیں قبل از اسم، مخدوم نیاز کیشاں لکھا تھا۔ اس قرمساقی نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے۔ کیشاں کو کپتان پڑھا۔

---

[۱] ضیاء الدین احمد خاں نیر، بظاہر انھوں نے مرزا صاحب کی وساطت سے درخواست کی تھی کہ اپنے خاندان کا شجرہ بھیج دیجئے۔ یہ سب کچھ مرزا نے خود آگے چل کر واضح کر دیا ہے۔ [۲] یعنی آپ نے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے میں جو محنت اٹھائی۔

اس کا محبتانہ معاوضہ خطاب کی صورت میں ادا کر دیا ۳؎ دہلی کا وہ محلّہ جس میں مرزا رہتے تھے ۔ ۴؎ ڈھمک، فلاں کی ہندی، مطلب یہ ہے کہ نام معلوم نہ تھا۔ بنیا ہونے کی بنا پر، فلاں ناتھ، ڈھمک داس لکھ دیا۔

---

بھائی ضیاءالدین خاں صاحب شملہ گئے ہوئے ہیں۔ شاید ماہ حال یعنی جولائی یا اول ماہ آیندہ یعنی اگست میں یہاں آ جائیں۔ آپ کو نوید تخفیف تصدیع دیتا ہوں۔ آپ نواب صاحب سے کتاب کیوں مانگیں اور زحمت کیوں اٹھائیں! جس قدر کو علم ان کو اس خاندان مجدت نشان کے حال پر حاصل ہو گیا ہے۔ کافی ہے۔ مولانا قلق کے نام کی عرضی انکو پہنچا دیجئے گا ۲؎ اور جناب نادر حسین خان صاحب کو میرا اسلام فرما دیجئے گا۔

(جولائی ۱۸۶۰ء)

خداوند نعمت،

شرف افزا نامہ پہنچا۔ شاہ اسرار الحق کے نام کا مکتوب ان کی خدمت میں بھیج دیا گیا تھا۔ جناب شاہ صاحب سالک مجذوب یا مجذوب سالک ہیں۔ اگر جواب بجھوا دیں گے تو جناب میں ارسال کر دیا جائیگا۔ قصیدے کو بار بار دیکھا اور غور کی۔ جس طرح پر ہے۔ اس میں گنجایش اصلاح کی نہ پائی۔ یعنی لفظ کی جگہ لفظ مرادف بالمعنی لانا صرف اپنی دستگاہ کا اظہارہ۔ ورنی کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں، کوئی ترکیب فارسی ٹکسال سے باہر نہیں۔ مگر ہاں طرز گفتار کا بدلنا۔ اس کے واسطے چاہیے۔ دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک اور لکھنا اور وہ تکلف بارو ہے[۳]۔ بلکہ شاید حضرت کو یہ منظور بھی نہ ہو۔ پس شرم کم خدمتی سے دل ریش اور فرط خجلت سے سر در پیش ہو کر قصیدہ اس لفافے میں بھیجتا ہوں۔ خدا کرے مورد عتاب نہ ہوں۔

حضرت، انہدام مساکن و مساجد کا حال کیا گزارش کروں، بانی شہر کو وہ اہتمام مکانات کے بنانے میں نہ ہوگا جو اب والیان ملک کو ڈھانے میں ہے۔ اللہ اللہ، قلعے میں اکثر اور شہر میں بعض بعض وہ شاہجہانی عمارتیں ڈھائی گئی ہیں کہ کدال ٹوٹ ٹوٹ گئے ہیں بلکہ قلعے میں تو ان آلات سے کام نہ نکلا۔ سرنگیں کھودی گئیں۔ بارود بچھائی گی اور مکانات سنگین اڑا دیے گئے[۴]۔

غلے کی گرانی، آفت آسمانی۔ امراض وموی بلائے جانی۔ انواع و اقسام کے اورام و بثور شایع، چارہ۔ ناسودمند، سعی ضائع، میں نہیں جانتا کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو

پہر دن چڑھے وہ فوج باغی میرٹھ سے دلی آئی تھی یا خود قہر الٰہی کا پے بہ پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت سابق دلی ممتاز ہے۔ ورنہ سرتاقلمرو ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب میر امجد علی صاحب کو بندگی۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام۔

مرقومہ سحرگاہ آدینہ ۲۴۔ ماہ اگست ۱۸۶۰

نجات کا طالب، غالب

---

۱ شفق نے بظاہر لکھا ہوگا کہ شجرہ خاندانی کے متعلق جو کچھ معلوم تھا لکھ دیا۔ آپ کہیں تو اپنے والد نواب صاحب سے خاندانی شجرے کی کتاب مانگ لوں۔ میرزا نے لکھا کہ جس قدر حالات معلوم ہو گئے۔ کافی ہیں۔ مزید کی ضرورت نہیں۔ ۲ بظاہر قلق کے نام کا خط بھی شفق کے خط کے ساتھ بھیجا گیا۔ ۳ نامرغوب تکلف۔ ۴ یہ پیراگراف منشی مہیش پرشاد نے اصل خط دیکھ کر اضافہ کیا۔ قلعے کی اندر بھی کئی عمارتیں ڈھائی گئیں۔ مگر وہ ان عمارتوں سے زیادہ نہ تھیں۔ جو قلعے سے باہر منہدم ہوئیں۔ مثلاً قلعے اور شاہی مسجد کے درمیان کئی محلے ڈھا دیے گئے۔ اور اس طرح متعدد تاریخی عمارتیں ناپید ہو گئیں

## (۱۶)

پیرومرشد،

میں آپ کا بندہ فرمانبردار اور آپ کا حکم بطیّب خاطر بجالانے والا ہوں۔ مگر سمجھ تو لوں کیا لکھوں، وہ مکتوب کہاں بھیجوں؟ آپ کے پاس بھیج دوں یا انھیں منشی صاحب کے پاس بھیج دوں؟ اور وسیم الدین اور ظہیر الدین کو منشی میر، شیخ خواجہ کیا کرے لکھوں۔

وہ حاکم کی رائے کے شمول کا قیدی اور اس زمانے میں دریائے شور کو بھیجا جاتا ہے۔ جس زمانے میں سیکڑوں جزیرہ نشین رہائی پا کر اپنے اپنے گھر آ گئے۔ بایں ہمہ منشی کا کیا اختیار رہے کہ وہ چھوڑ دے؟ آیا امیر الدین نے، جس محکمے کا وہ منشی ہے۔ اس محکمے میں یہ مقدمہ بہ طریق مرافعہ پیش کیا ہے۔ جو منشی کا کار پردازی و کار سازی کی گنجائش ہو؟ یہ آپ کی تحریر سے معلوم نہیں ہوا کہ اپیل ہو گیا ہے۔ اور مقدمہ دائر ہے بلکہ یہ بھی طرز تحریر سے معلوم نہیں ہوتا کہ اب سعی منحصر اس میں ہے کہ قیدی دریائے شور کو نہ جاوے اور یہیں محبوس رہے کہ جزیرہ کو بھی نہ جاوے اور یہاں کی قید سے بھی رہائی پائے؟ خواہش کیا ہے اور کار پرواز سے کس طرح کی اعانت چاہوں؟ پہلے تو یہ سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں؟ اس کو کہاں بھیجوں؟

طریق یہ ہے کہ میں امیر الدین وہ نگارش لے کر منشی صاحب کے پاس جائیں اور بذریعہ خط کے روشناس ہوں۔ میں کیا جانوں کہ امیر الدین کا مسکن کہاں ہے؟ منشی صاحب کو خط بھیج دوں، ان کے نزدیک احمق بنوں کہ کس امر موہوم مجہول

میں مجھ کو لکھا ہے۔ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ اس خط کو پڑھ کر تفحص کریں کہ امیر الدین کون ہے اور کہاں ہے اور کیا چاہتا ہے؟ بہ ہر حال اس خط کے ساتھ ایک اور لفافہ آپ کے نام کا روانہ کرتا ہوں۔ اس میں صرف ایک خط موسومہ منشی صاحب ہے، کھلا ہوا۔ اس کو پڑھ کر میاں امیر الدین کے پاس بھیج دیجیے گا مگر گوند لگا کر اور اگر یہ منظور نہ ہو تو میری طرف سے منشی صاحب کے نام کے خط کا مسودہ لکھ کر میرے پاس بھیجیے اور لکھ بھیجیے کہ اس مسودہ کو صاف کر کے کہاں بھیجوں؟

صبح یک شنبہ۔ ۲۔ جون ۱۸۶۱ء

قبلہ و کعبہ،

کیا لکھوں، امور نفسانی میں اضداد کا جمع ہونا محالات عادیہ میں ہے۔ کیونکہ ہو سکے کہ ایک وقت خاص میں ایک امر خاص موجب انشراح کا بھی ہو اور باعث انقباض کا بھی ہو، میں نے آپ کے اس خط میں پائی کہ اس کو پڑھ کر خوش بھی ہوا اور غمگین بھی ہوا۔ سبحان اللہ، اکثر امور میں تم کو اپنا ہم طالع اور ہم درد پاتا ہوں۔ عزیزوں کی ستم کشی اور رشتہ داروں سے ناخوشی۔ میرا ہم قوم تو سراسر قلمرو ہند میں نہیں۔ سمرقند میں دو چار، یا دشت خفچاق[۲] میں سو دو سو ہوں گے۔ مگر ہاں اقربائے سبھی ہیں۔ سو پانچ برس کی عمر سے انکے دام میں اسیر ہوں۔ اکسٹھ برس ستم اٹھائے ہیں:

گرد ہم شرح ستم ہائے عزیزاں غالب
رسم امید ہمانا ز جہاں بر خیزد

نہ تم میری خبر لے سکتے ہو۔ نہ تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اللہ، اللہ، اللہ دریا سارا تیر چکا ہوں۔ ساحل نزدیک ہے، وہ ہاتھ لگائے۔ بیڑا پار ہے۔

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا؟

شاہ اسرار الحق کو حافظ نظام الدین صاحب کا خط بھجوایا۔ ہفتہ بھر کے بعد جواب مانگا۔ جواب دیا کہ اب بھیجتا ہوں۔ دس بارہ دن ہوئے کہ حضرت خود تشریف لائے۔ جو

اب آپ کے اور حافظ جی کے خط کا مانگا۔ کہا کہ کل صبح بھیج دوں گا۔ اس واقعے کو آج قریب دو ہفتے کا عرصہ ہوا۔ ناچار ان کے جواب سے قطع نظر کر کے آپ کو یہ چند سطریں لکھیں۔

از خون دل تو شتم من ہجرک دوست نامہ
انی رایت دہرا من ہجرک القیامہ

حافظ جی صاحب کو میری بندگی کہیے گا اور یہ خط ان کو پڑھوا دیجیے گا۔ جناب منشی نادر حسین صاحب کو میرا اسلام پہنچے۔ اگر چہ آپ مبتلائے رنج و الم ہو۔ مگر یہ شرف کیا کم ہے۔ کہ انوالدولہ کے ہم درد ہو۔ مورو ستمہارے روزگار ہونا شرافت ذاتی کی دلیل ہے۔ ساطع اور برہان ہے قاطع۔

ہاں حضرت بہت دن سے جناب میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ ان کے تخلص[1] نے مجھ کو حیران کر رکھا ہے یعنی قلق میں مبتلا ہوں۔ آپ ان کا حال لکھیے۔ خواجہ اسماعیل خاں صاحب کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟

سنیے قبلہ، میں تو آپ سے شاہ انوارالحق کے خط کے جواب کا طالب نہیں ہوں کہ آپ ان کے خط حاصل ہونے کے انتظار میں مجھ کو خط نہ لکھ سکیں۔ متر صد[2] ہوں کہ اس اپنے خط کا جواب جلد پاؤں۔

صبح سہ شنبہ ۲۲۔ اکتوبر (۱۸۶۱ء)

جواب کا طالب غالب

---

[1] یعنی جو درد مجھے ہے وہی آپ کو ہے [2] خنچاق ترکستان کی ایک صحرانشین قوم کا نام تھا۔ جو غالباً اب صحرانشین نہیں رہی۔ وہ جس علاقے میں رہتی تھی اسے دشت خنچاق کہتے تھے۔ خنچاق کو قپچاق اور قچاق بھی لکھتے ہیں۔

## (۱۸)

نادک بیداد کا ہدف، یعنی غالب آداب بجالاتا ہے۔ نوازش نامے کو دیکھ کر جانا کہ میں نے کمرے چند کے شعر پر خط بطلان کھینچ دیا۔ یہ تو کوئی گمان نہ کرے گا۔ کہ میں کمر بند نہیں جانتا۔ معہذا وہاں پہلے مصرع میں اگر، کمر بمعنی کمر بند فرض کیجئے تو بھی تو شعر کاٹ ڈالنے کے قابل نہیں۔ قصد کر کے بیٹھا تھا کہ اس شعر پر صاد کروں گا، خدا جانے قلم خط کیوں کر کھینچ گیا؟ اب حواس بجا نہیں، حافظہ رہا نہیں۔ اکثر الفاظ بے قصد لکھ جاتا ہوں۔ ستر برس کی عمر ہوئی

کہاں تک خرافت نہ آئے۔ اس شعر کا گنہگار اور حضرت سے شرمسار ہوں۔ معاف کیجئے گا۔ زیادہ حد ادب،

پنجشنبہ ۱۹۔ ذی الحجہ سال غفر

(۱۲۷۸ھ مطابق ۱۹ جون ۱۸۶۲ء)

---

۱؎ امیر امجد علی کا تخلص قلق تھا۔ غالب نے اگلے فقرے میں مطلب خود واضح کر دیا ہے۔ ۲؎ منتظر و امیدوار ۳؎ بعض اصحاب نے ۱۸۶۰ء کو اس بنا پر غلط قرار دیا کہ اس میں بیماری کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ میرزا کی تحریر کے مطابق وہ پانچ برس کی عمر میں اقربا سلبی کے دام میں اسیر ہونے یعنی ان کی پنشن احمد بخش سے متعلق ہوگئی اور اکسٹھ برس تک ان کے ستم اٹھائے اکسٹھ میں پانچ جمع کیے جائیں تو چھیاسٹھ بنتے ہیں۔ گویا یہ خط میرزا نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں لکھا۔ لہذا یہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) ہی کا ہوسکتا ہے۔ ۴؎ شاہ اودھ جو جون ۱۸۴۲ء میں مسند نشین ہوا اور پانچ سال کی

حکومت کے بعد فروری ۱۸۴۷ء میں وفات پائی۔ اس خط میں ایک پیچیدگی ہے جس کی توضیح لازم ہے۔ ابتدا میں امجد علی شاہ کی جگہ غازی الدین حیدر ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ جس صاحب کا ذکر ہے وہ امجد علی شاہ کے عہد سے بیس سال پیشتر آگرہ میں مرزا سے ملا تھا۔ یعنی ۱۸۳۲ء کے آس پاس اور وہ امجد علی نہیں غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا۔ البتہ بیس برس بعد امجد علی شاہ کے زمانے میں انھوں نے خط لکھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ ۱۲۳۲ء تک غالب آگرہ جاتے آتے رہتے تھے۔ امجد علی شاہ کے عہد میں پہلے اشرف الدولہ محمد ابراہیم خاں وزیر تھے۔ پھر امین الدولہ امداد حسین خاں وزیر ہوئے۔ بیچ میں منور الدولہ احمد علی خاں بھی اس عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ آخر میں مجتہد العصر نے پھر امین الدولہ ہی کو وزارت دلوادی۔ یہاں غالباً انھیں کی طرف اشارہ ہے۔

## (۱۹)

پیرومرشد،

آداب ،تمہ غلط نامہ، قاطع برہان، کو بھیجے ہوئے تین اور آپ کی خیر و عافیت مولوی حافظ عزیز الدین کی زبانی سنتے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ قاطع برہان کے پہنچنے سے اطلاع پائی۔ معتقدان برہان قاطع برچھیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہنچے ہیں ایک تو یہ کہ قاطع برہان غلط ہے یعنی ترکیب خلاف قاعدہ ہے کلام قطع کیا جاتا ہے۔ برہان قطع نہیں ہوسکتی ہے۔ لو صاحب ، برہان قطع صحیح اور قاطع برہان غلط ! مگر برہان قاطع کی فاعل ہوسکتی ہے اور قطع کا فعل آپ نہیں قبول کرتی۔ قاطع برہان میں جو برہان کا لفظ ہے یہ مخفف برہان قاطع ہے۔ برہان قاطع کے رو کو قطع سمجھ کر قاطع برہان نام رکھا تو کیا گناہ ہوا؟

دوسرا ایراد یہ ہے:

با انگلسیان ستیز بے جا

انگلس کا نون تلفظ نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں خدا کے واسطے، انگلس اور انگریز کا نون بہ اعلان کہاں ہے؟ اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے، لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل ڈالتے ہیں۔ اگر انگلس کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا؟

وہ ورق جو چھاپے کا آپ کے پاس بھیجا ہے اس کو غلط نامہ شاملہ کے بعد لگوا کر جلد بندھوا لیجئے گا۔

حضرت، کیوں اپنے مراسلے اور میرے مکتوب کا حال پوچھا۔

ایں ہم کہ جوابے نہ نویسند جواب است

سمجھ لو اور چپ رہو۔ میں نے مانا جس کو تم نے لکھا ہے۔ وہ لکھے گا کہ میں نے مختار سے پوچھا۔ اس نے یوں کہا: پھر میں نے یوں کہا۔ اب یہ بات قرار پائی ہے تو اس تقریر کو حضرت ہی باور کریں گے۔ فقیر کبھی نہ مانے گا۔

ایک حکایت سنو، امجد علی شاہ کی سلطنت کے آغاز میں ایک صاحب میرے نیم آشنا یعنی خدا جانے کہاں کے رہنے والے کسی زمانے میں وارد اکبر آباد ہوئے تھے۔ کبھی کہیں کے تحصیلدار ہو گئے تھے۔ زبان آور اور چالاک۔ اکبر آباد میں نوکری کی جستجو کی۔ کہیں کچھ نہ ہوا۔ میرے ہاں ایک دربار آئے تھے۔ پھر وہ خدا جانے کہاں گئے۔ میں دلی میں آ رہا۔ کم و بیش بیس برس ہوئے ہوں گے۔ امجد علی شاہ کے عہد میں انکا خط ناگاہ مجھ کو بسبیل ڈاک آیا۔ چونکہ ان دنوں میں دماغ درست اور حافظہ برقرار تھا۔ میں نے جانا کہ یہ وہی بزرگوار ہیں۔ خط میں پہلے مجھ کو یہ مصرع لکھا:

از بخت شکر دارم و از روزگار ہم

آپ سے جدا ہو کر بیس برس آوارہ پھرا۔ جے پور میں نوکر ہو گیا۔ وہاں سے دو برس کے بعد کہاں گئے اور کیا کیا۔ اب لکھنو میں آیا ہوں۔ وزیر سے ملا ہوں۔ بہت عنایت کرتے ہیں۔ بادشاہ کی ملازمت انھیں کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ نے خان اور بہادر کا خطاب دیا ہے۔ مصاحبوں میں نام لکھا ہے۔ مشاہرہ ابھی قرار نہیں پایا۔ وزیر اکو میں نے آپ کا بہت مشتاق کیا ہے۔ اگر آپ کوئی قصیدہ حضور

کی مدح میں اور عرضی یا خط میں جو مناسب جانیں، وزیر کے نام لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے تو بے شک بادشاہ آپ کو بلائیں گے اور وزیر کا خط مشعر فرمان طلب آپ کو پہنچے گا۔ میں نے اسی عرصے میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ جس کی بیت اسم یہ ہے:

امجد علی شرر آنکہ بہ ذوق دعاے او
صد رہ نماز صبح قضا کرو روزگار

متردد تھا کہ کس کی معرفت بھیجوں۔ توکلت علی اللہ بھیج دیا۔ رسید آ گئی صرف۔ پھر دو ہفتے بعد ایک خط آیا کہ قصیدہ وزیر تک پہنچا۔ وزیر پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ بہ آئین شایستہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ میں متوقع ہوں کہ میاں بدرالدین مہر کن سے میری مہر خطابی کھدوا کر بھیج دیجیے۔ چاندی کا نگینہ ہو مربع اور قلم جلی۔ فقیر نے سر انجام کر کے بھیج دیا۔ رسید آئی اور قصیدے کے بادشاہ تک گزرنے کی نوید۔ بس پھر دو مہینے تک ادھر سے کوئی خط آیا۔ میں نے جو خط بھیجا۔ الٹا پھر آیا۔ ڈاک کا یہ توقیع کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں۔ ایک مدت کے بعد معلوم ہوا کہ اس بزرگ کا وزیر تک پہنچنا اور حاضر رہنا سچ، بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملنا غلط۔ بہادری کی مہر تم سے بہ فریب حاصل کر کے مرشد آباد کو چلا گیا۔ چلتے وقت وزیر نے دو سو روپے دیے تھے۔

ایک قاعدہ کلیہ دلی کا سمجھ لو۔ خالق کی قدرت مقتضی اس کی ہے کہ جو اس شہر پناہ کے اندر پیدا ہوا۔ مرد یا عورت خفقان و مراق اس کی خلقت و فطرت میں ہو۔ آٹھ دس برس کے بعد ساون کے آخر میں مینہ برسا، لیکن نہ دریا جاری ہوئے نہ طوفان

آیا۔ ہاں شہر کے باہر ایک دن بجلی گری۔ در ایک آدمی کچھ جانور تلف ہوئے۔ مکان گرے۔ دس بیس آدمی دب کر مرے۔ دو تین آدمی کوٹھے پر سے گر کر مرے۔ مراقیوں نے غلم مچانا شروع کیا۔ اپنے اپنے عزیزان بسفر رفتہ کو لکھا۔ جا بجا اخبار نویسوں نے ان سے سن کر درج اخبار کیا۔ لو، اب دس بارہ دن مینہ کا نام نہیں۔ دھوپ آگ سے زیادہ تر تیز ہے۔ وہی خفقانی صاحب روتے پھرتے ہیں کہ کھیتیاں جلی جاتی ہیں۔ اگر مینہ نہ برسے گا تو پھر کال پڑے گا۔ مکانات کے گرنے کا حال یہ ہے کہ چار پانچ برس ضبط رہے۔ یغمائی! لوگ کڑی، تختہ، کواڑ، چوکھٹ بعض مکانات کی چھت کا مسالا، سب لے گئے۔ اب ان غربا کو وہ مکان ملے تو ان میں مرمت کا مقدور کہاں؟ فرمایئے مکانات کیونکر نہ گریں؟

صبح دوشنبہ ۱۳ صفر (۱۲۷۹)

۱۱۔ اگست ۱۸۶۲ء

(۲۰)

پیرومرشد،

آداب، مزاج مقدس۔ میرا جو حال آپ نے پوچھا، اس پرسش کا شکر بجالاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپ کا بندہ بے دام و درم خریدہ اچھی طرح ہے۔ ایک فصد، بائیس منقیح، چار مسہل کہاں تک آدمی کو ضعیف نہ کرے۔ بارے آفتاب عقرب میں آ گیا۔ پانی برفاب ہو گیا ہے۔ کابل و کشمیر کا میوہ بکنے لگا ہے۔ یہ ضعف ضعفِ قسمت تو نہیں کہ ایسے ایسے امور اس کو زائل مل نہ کر سکیں۔

غزلوں کو پرسوں سے پڑھ رہا ہوں اور وجد کر رہا ہوں۔ خوشامد میرا شیوہ نہیں ہے۔ جو ان غزلوں کی حقیقت میری نظر میں ہے۔ وہ مجھ سے سن لیجئے اور میرے داد دینے کی داد دیجیے۔ مولانا قلق نے متقدمین یعنی امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحد کمال پر پہنچا دیا ہے اور میرے قبلہ و کعبہ مولانا شفق اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں۔ اگر تکلف و تملق سے کہتا ہوں۔ تو مجھ کو ایمان نصیب نہ ہو۔ یہ جو آپ اپنے کلام کے حک و اصلاح کے واسطے مجھ سے فرماتے ہیں۔ آپ میری آبرو بڑھاتے ہیں۔ کوئی بات بے جا ہو، کوئی لفظ ناروا ہو تو میں حکم بجالاؤں۔ زیادہ حد ادب۔

## (۲۱)

ہرگز نہ میرو آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

خداوندِ نعمت!

۱؎ ایڈیٹر ۲؎ ۱۲۸۰ھ اور ۱۸۶۳ء

آج دوشنبہ ۶۔ رمضان کی اور ۱۵۔ فروری ۲؎ کی ہے۔ اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں۔ عطوفت نامہ پہنچا۔ ادھر پڑھا۔ ادھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔ خط کو معنون کر رکھتا ہوں۔ کل شنبہ ۱۶۔ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ سال گزشتہ مجھ پر بہت سخت گزرا۔ بارہ تیرہ مہینے صاحبِ فراش رہا۔ اٹھنا دشوار تھا۔ چلنا پھرنا کیسا؟ نہ کھانسی، نہ اسہال، نہ فالج نہ لقوہ ان سب سے بدتر ایک صورت پر کدورت ،یعنی احتراق کا مرض، مختصر یہ کہ سر سے پاؤں تک بارہ پھوڑے، ہر پھوڑا ایک زخم، ہر زخم ایک غار، ہر روز بے مبالغہ بارہ تیرہ پھائے اور پاؤ بھر مرہم درکار۔ نو دس مہینے بے خور و خواب رہا ہوں اور شب و روز بے تاب۔ راتیں یوں گزری ہیں کہ اگر کبھی آنکھ لگ گئی۔ دو گھڑی غافل رہا ہوں گا کہ ایک آدھ پھوڑے میں ٹیس اٹھی۔ جاگ اٹھا۔ تڑپا کیا۔ سو گیا۔ پھر ہوشیار ہو گیا۔ سال بھر میں سے تین حصے دن یوں گزرے پھر تخفیف ہونے لگی۔ دو تین مہینے میں لوٹ پوٹ کر اچھا ہو گیا۔ نئے سر سے روح قالب میں آئی۔ اجل نے میری سخت جانی کی قسم کھائی۔ اب اگرچہ تندرست ہوں لیکن ناتوان و ست ہوں۔ حواس کھو بیٹھا۔ حافظے کو رو بیٹھا۔ اگر اٹھتا ہوں تو

اتنی دیر میں اٹھتا ہوں کہ جتنی دیر میں قد آدم دیوار اٹھے۔ آپ کی پرسش کے کیوں نہ قربان جاؤں کہ جب تک میرا مرنا نہ سنا۔ میری خبر نہ لی۔ میری مرگ کے مخبر کی تقریر اور مثلا میری یہ تحریر۔ آدھی سچ اور آدھی جھوٹ۔ درصورت مرگ نیم مردہ اور درحالت حیات نیم زندہ ہوں:

در کشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
اینکہ من نے میرم ہم ز ناتوا نیہاست

اگر ان سطور کی نقل میرے مخدوم، مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی لفٹنٹ گورنری غرب وشمال کے پاس بھیج دیجئے گا تو ان کو خوش اور مجھ کو ممنون کیجئے گا۔

دوشنبہ ۲۔ رمضان ۱۲۸۰ھ

۱۵۔ فروری ۱۸۶۴ء

# حکیم غلام نجف خاں و ظہیر الدین احمد خاں

عضد الدولہ حکیم نجف خاں، احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں کے اقربا میں سے تھے۔ حکیم محمود خاں شریف خانی کے والد ماجد سے طبابت کی تعلیم پائی۔ حکیم احسن اللہ خاں کے زیر نگرانی مشق بہم پہنچائی۔ یہ اصل میں شیخوپورہ (یو۔پی) کے رہنے والے تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں کی وجہ سے دہلی میں اقامت پذیر ہوئے۔ غالب ان کے ساتھ گھر کے افراد کا سا برتاؤ کرتے تھے۔

غدر کے وقت یہ دو جا نہ میں تھے اور خط و کتابت کی ابتداء اسی وقت سے ہوئی۔ پھر دہلی آ گئے تو خط و کتابت کی ضرورت نہ رہی۔ اقامت دہلی کے زمانے کا صرف ایک خط میرے علم میں آیا ہے (ملاحظہ ہو خط نمبر ۱۷) جس میں چاولوں کا ذکر ہے۔ پھر چند خطوط اس زمانے کے ہیں۔ جب میرزا پہلی اور دوسری دفعہ رام پور گئے تھے۔

حکیم ظہیر الدین احمد خاں غلام نجف خاں کے صاحبزادے تھے۔ ان کے نام صرف ایک خط ہے۔ دوسرا خط ان کی طرف سے۔ ان کے چچا کو لکھا گیا ہے۔

## (۱)

میاں، حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اب تک جیتا ہوں، بھاگ نہیں گیا۔ نکالا نہیں گیا۔ لٹا نہیں۔ کسی محکمہ اب تک بلایا نہیں گیا۔ معرض باز پرس میں نہیں آیا۔ آیندہ دیکھے کیا ہوتا ہے۔

شیر زماں خاں نے مجھے آگرہ سے خط لکھا۔ اس میں ایک رقعہ تھا شیخ نجم الدین [۱] حیدر صاحب کی طرف سے بنام ظہیر الدین [۲] کے۔ اب مجھ کو ضرور آ پڑا کہ اس کو تمہارے پاس بھیجوں۔ آدمی کوئی ایسا نظر نہ چڑھا۔ ناچار بطریق ڈاک بھیجتا ہوں۔ اگر پہنچ جائے تو آگرہ کا جواب لکھ کر میرے پاس بھیج دینا۔ میں یہاں سے آگرہ کو روانہ کر دوں گا۔

مرسلہ دوشنبہ چام جمادی الاول ۱۲۷۴ھ

(مطابق ۲۱۔ دسمبر ۱۸۵۷ء

جواب طلب، غالب

## (۲)

میاں تمہارا خط پہنچا۔ آج میں نے اس کو اپنے خط میں ملفوف کر کے آگرہ کو روانہ نہ کیا۔ تم جو کہتے ہو کہ تم نے کبھی مجھ کو خط نہیں لکھا اور اگر شیخ نجم الدین حیدر کا خط آتا تو اب بھی نہ لکھتے۔ انصاف کرو۔ لکھوں تو کیا لکھوں؟ کچھ لکھ سکتا ہوں؟ کچھ قابل لکھنے کے ہے؟ تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا؟ اور اب جو میں لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں؟ بس اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم تم جیتے ہیں۔ زیادہ اس سے تم نہ لکھو گے۔ نہ میں لکھوں گا۔ ظہیر الدین کو دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔ تم کو اور ظہیر الدین کو اور اس کی ماں کو اور اس کی بہن کو اور اس کی لڑکی کو تمہاری ماں دعا کہتی ہے۔ اور دعائیں دیتی ہے۔ یہ رقعہ حیدر حسن خاں نے نام کا ہے۔ انکو حوالے کر دینا۔

نگاشتہ شنبہ ۲۶۔ دسمبر ۱۸۵۷ء

اسد اللہ

## (۳)

سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خاں طال بقاوہ۔ تمہارا رقعہ پہنچا۔ جو دم ہے۔ غنیمت ہے۔ اس وقت تک میں مع عیال و اطفال جیتا ہوں۔ بعد گھڑی بھر کے کیا ہو۔ کچھ معلوم نہیں۔ قلم ہات میں لیے پرچی بہت لکھنے کو چاہتا ہے۔ مگر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے۔ تو کہہ لیں گے ورنہ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

نواسی کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اسکی ماں کو صبر دے اور زندہ رکھے۔ میں یوں سمجھتا ہوں کہ یہ چھوکری قسمت والی اور حرمت والی تھی۔ تمہاری استانی ہے تم کو اور ظہیر الدین کو اور اس کی ماں کو اور اس کی بہن کو دعا کہتی ہیں اور میں پیار کرتا ہوں اور دعا دیتا ہوں۔

سہ شنبہ ۱۹۔ جنوری ۱۸۵۸ء غالب

---

۱؎ یہ غالباً حکیم غلام نجف خاں کے بھائی یا قریبی رشتہ دار تھے۔ ۲؎ غلام نجف خاں کے فرزند ۳؎ بیگم غالب ۴؎ استانی سے اشارہ بیگم غالب کیطرف ہے۔ جس پہلے ماں لکھا تھا۔

(۴)

بھائی،

ہوش میں آؤ، میں نے تم کو کب خط بھیجا اور رقعہ میں کب لکھا اور رقعہ میں کب لکھا کہ شیر زماں خاں کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے تو ایک لطیفہ لکھا تھا کہ شیر زماں خاں نے میرے خط میں بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اس رقعہ میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ بس بات اتنی ہی تھی۔ وہ بندگی لکھی ہوئی گویا لپٹی ہوئی تھی۔ سو حضرت کو پہنچ گئی ہے۔ خاطر عاطر جمع ہے۔

(۱۸۵۸)

غالب

## (۵)

میاں،

تم کو مبارک ہو کہ حکیم صاحب اپر سے وہ سپاہی، جوان کے اوپر متعین تھا۔ اٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا کہ اپنی وضع پر رہو۔ مگر شہر میں رہو۔ باہر جانے کا اگر قصد کرو تو پوچھ کر جاؤ اور ہر ہفتہ میں ایک بار کچہری میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ کچے باغ کے پچھواڑے مرزا جاگن کے مکان میں آ رہے۔ صفدر میرے پاس آیا تھا۔ یہ اس کی زبانی ہے۔ جی ان کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے مگر از راہ احتیاط جا نہیں سکتا۔

میرزا بہادر بیگ نے بھی رہائی پائی۔ اب اس وقت سنا ہے کہ وہ خاں صاحب کے پاس آئے ہیں۔ یقین ہے کہ بعد ملامات باہر چلے جائیں گے۔ یہاں نہ رہیں گے۔ قدم شریف میں وہ رہتے ہیں۔

آج پانچواں دن ہے کہ حکیم محمود خاں مع قبائل وعشائر پٹیالہ کو گئے ہیں۔ میں بہ مقتضائے وقت اپنی سکونت کے مکان چھوڑ کر یہاں آ رہا ہوں۔ اس طرح کہ محل سرا میں زنانہ اور دیوان خانے میں مردانہ۔

پنسن کی درخواست کا ابھی کچھ حکم نہیں معلوم ہوا۔ کلکٹر سے کیفیت طلب ہوئی ہے۔ دیکھیے بعد کیفیت کے جانے کے پنسن ملتا ہے یا جواب۔

پنجشنبہ ۱۶۔ شعبان ۱۲۷۴ھ

مطابق یکم اپریل ۱۸۵۸ء

## (۶)

بھائی،

میرا دکھ سنو، ہر شخص کو غم موافق اس کی طبیعت کے ہوتا ہے۔ ایک تنہائی سے نفور ہے، ایک کو تنہائی منظور ہے۔ تا ہل میری موت ہے۔ میں کبھی اس گرفتاری سے خوش نہیں رہا۔ پٹیالہ جانے میں ایک سبکی اور ذلت تھی۔ اگرچہ مجھ کو دولت تنہائی میسر آجاتی۔ لیکن اس تنہائی چند روزہ اور تجرید مستعار کی کیا خوشی، خدا نے لاولد رکھا تھا۔ شکر بجالاتا تھا۔ خدا نے میرا شکر مقبول و منظور نہ کیا۔ یہ بلا بھی قبیلہ داری کی شکل کا نتیجہ ہے۔ یعنی جس لوہے کا طوق، اسی لوہے کی دو ہتکڑیاں بھی پڑ گئیں۔ [۱] خیر اس کا کیا رونا ہے۔ یہ تو قید جاودانی ہے۔

---

[۱] حکیم احسن اللہ خاں [۲] اہل و عیال و اعزہ

---

جناب حکیم صاحب [۲] ایک روز از راہ عنایت یہاں آئے۔ کیا کہوں کہ ان کے دیکھنے سے دل کیا خوش ہوا ہے۔ خدا انکو زندہ رکھے۔ خصوصا اس فتنہ و آشوب [۳] میں تو کوئی میرا جاننے والا نہ بچا ہوگا۔ اس راہ سے مجھ کو جو دوست اب باقی ہیں بہت عزیز ہیں۔ واللہ دعا مانگتا ہوں کہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے۔ کیا معنی کہ جو میں مروں، کوئی میرا یاد کرنے والا مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو۔

مصطفیٰ خاں کا حال سنا ہوگا۔

خدا کرے مرافعہ میں چھوٹ جائے، ورنہ حبس ہفت سالہ کی تاب اس ناز پروردہ

میں کہاں؟ احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں۔ مخوق ہی ہوا۔ گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔

پنسن کی درخواست دے رکھی ہے۔ بشرط اجراء بھی میرا کیا گزارہ ہوگا؟ ہاں دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بے گناہی کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ موافق قول عوام، چولہے دلدر نہ ہوگا۔ ۵ تجھ کو میری جانکی قسم، اگر میں تنہا ہوتا تو اس مجہ قلیل میں کیسا فارغ البال اور خوشحال رہتا؟ یہ بھی خبط جو میں کہہ رہا ہوں۔ خدا جانے پنسن جاری ہوگا یا نہ ہوگا۔ احتمال تعیش و تنعم بشرط تجرید ۶ صورت اجرائے پنسن میں سوچتا ہوں اور وہ موہوم ہے۔ بیدل کا شعر مجھ کو مزا دیتا ہے۔

نہ شام ما را سحر نویدی، نہ صبح مارا دم سپیدی
چو حاصل ماست ناامیدی ، غبار دینا بہ فرق عقبی

اس وقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا، جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ زیادہ کیا لکھوں؟

اس کا سرنامہ یوں ہے:

جان و جانان و جاناں عزیز تر حکیم غلام نجف خاں سلمہ اللہ تعالیٰ

اپریل ۱۸۵۸ء

از غالب

(۷)

میاں،

پہلے ظہیر الدین کا حال لکھو۔ پھر حکیم صاحب کی حقیقت لکھو۔ کہیں اور جا ئیں گے یا یہاں آ ئیں گے؟ اگر یہاں آ ئینگے تو کب تک آ ئیں گے؟ پھر خط لکھو میاں نظام الدین کو اور اس میں لکھو کہ تم نے غالب کے خط کا جواب نہیں لکھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں حیران ہوں کہ میاں نظام الدین اور میرے خط کا جواب نہ لکھیں خدا جانے مجھ سے ایسی کیا تقصیر ہوئی ہے۔

---

۱؎ بیگم کو طوق اور زین العابدین خاں عارف کے بچوں کو ہتھکڑیاں قرار دیا ہے۔ ۲؎ حکیم احسن اللہ خاں ۳۔ غدر ۱۸۵۷ء ۴؎ یعنی پھانسی پائی۔ ۵؎ کھانے پینے کا محتاج نہ ہونا پڑیگا۔ ۶؎ تنہائی۔ پنشن جاری ہو جاتی تو عیش و تنعم سے زندگی گزارنے کا امکان تھا۔

---

۱۸۵۸ء

نجات کا خدا سے اور اس رقعے

کے جواب کا طالب غالب

## (۸)

بھائی،

تمہارے رقعے کا جواب پہلے تم کو شیر زماں خاں نے دیا ہوگا۔ پھر ظہیر الدین نے تم سے کہا ہوگا۔ کہو کوئی طرح شہر میں تمہارے آنے کی ٹھہری یا نہیں؟ بعد تیس کو س اور آدھ کا برابر ہے۔ میری جان تم ہنوز دو جانہ میں ہو۔ مجھ کو تم جانتے ہو کہ میرا شہر میں رہنا بے اجازت سرکار کے نہیں اور باہر نکلنا بے ٹکٹ نہیں۔ پھر میں کیا کروں۔ کیوں کہ وہاں آؤں؟ شہر میں تم ہوتے تو جرات کر کے تمہارے پاس چلا آتا۔ شیر زماں خاں صاحب ایک بار آئے تھے۔ کہہ گئے تھے کہ پھر بھی آؤں گا۔ مگر نہیں آئے۔ خدا جانے ان کے والد کی رہائی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہنا اور انکو میرے پاس بھیج دینا اور تم کو انکے والد کا جو حال زبانی معلوم ہوا ہو۔ مجھ کو لکھ بھیجو۔ ظہیر الدین کو دعا۔ والدعا

(جولائی ۱۸۵۸ء)

از غالب

## (۹)

بھائی،

ہاں غلام فخر الدین خاں[۱] کی رہائی۔ زندگی دوبارہ ہے۔ خدا تم کو مبارک کرے۔ سنا ہے لوہارو بھی ان دونوں صاحبوں[۲] کو مل گیا۔ یہ بھی ایک تہنیت ہے۔ خدا سب کا بھلا کرے۔ مجھ کو صاحب ڈپٹی کمشنر نے بلا بھیجا تھا۔ صرف اتنا ہی پوچھا کہ غدر میں تم کہاں تھے؟ جو مناسب ہوا۔ وہ کہا گیا۔ وہ ایک خط آمدہ ولایت میں نے پڑھائے۔ تفصیل لکھ نہیں سکتا۔ اندازہ ادا سے پنسن کا بحال و برقرار رہنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر پندرہ مہینے پچھلے ملتے نظر نہیں آتے۔

میاں۔ یہ الور میں کیا فساد برپا ہوا ہے۔ خدا خیر کرے۔ واسطے خدا کے جو تم کو معلوم ہوا ہو اور جو معلوم ہو جائے۔ اس سے مجھ کو بھی اطلاع دینا۔

(اگست ۱۸۵۸ء)

غالب

## (۱۰)

قبلہ،

یہ تو معلوم ہوا کہ بعد قتل ہونے دس آدمی کے کہ وہ اس میں عزیز بھی تھے۔ یہ سب وہاں سے نکالے گئے مگر صورت نہیں معلوم کہ کیوں کر نکلے۔ پیادہ یا سوار؟ تہی دست یا مالدار؟ مستورات کو تو رہیں دے دی تھیں۔ ذکور کا حال کیا ہوا اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد کیا ہوا؟ کہاں رہے اور کہاں رہیں گے؟ سرکار انگریزی کیطرف سے مورد تفقد و ترحم ہیں یا نہیں، رنگ کیا نظر آتا ہے۔ جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں؟ تفضّل حسین خاں کا حال خصوصا اور ان سوالات کا جواب عموماً لکھو۔[۱]

میرزا مغل میرا حقیقی بھانجا کہ وہ منشی خلیل الدین خاں مرحوم کا خویش ہے۔ اس کی بی بی ہے اور شاید ایک یا دو بچے بھی ہیں۔ اذعانی ہے یہ امر کہ وہ بھی قافلہ کے ساتھ ہوگا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو اس کا حال بہ انفراد لکھیے۔[۲]

خواجہ جان اور خوجہ امان[۳] کی حقیقت بھی بشرط اطلاع ضروری فرمائیے اور ہاں صاحب آپ جانتے ہوں گے علی محمد خاں کو، وہ جو میر منشی عزیز اللہ خاں کا خویش ہے، اگر کچھ اس کا ذکر بھی سنا تو میں اس کا خیر طلب ہوں۔

جواب طلب

غالب (ستمبر ۱۸۵۸ء)

---

[۱] غالب کے برادر نسبتی میرزا بخش خاں کے فرزند اور غالب کی بھتیجی کے شوہر۔ [۲] امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں

## (۱۱)

میاں،

میں تم سے رخصت ہو کر اس دن مراد نگر میں رہا۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہنچا۔ نواب مصطفیٰ خاں نے ایک دن رکھ لیا۔ آج شنبہ ۲۱۔ جنوری یہاں مقام ہے ۔نو بج گئے ہیں۔ بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ مفت کا کھانا ہے۔ خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ کل شام شاہ جہان پور۔ پرسوں گڑھ مکتیشر رہوں گا۔ مراد آباد سے پھر تم کو خط لکھوں گا۔ ۴ لڑکوں ۵ کے ہاتھ کے دو خط لکھے ہوئے انکی دادی ۶ کو بھجوا دیے ہیں۔ تم اس اپنے نام کے خط کو لے کر ڈیوڑھی ۷ پر جانا اور راستانی ۸ جی کو پڑھ کر سنا دینا اور خیر و عافیت کہہ دینا جناب خاں صاحب کو میرا سلام نیاز اور ظہیر الدین احمد کو دعا کہہ دینا۔

ہاں بھائی، میں از روے مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے پوچھا کرے۔ اس سے پروہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رام پور گیا ہے۔ یعنی سب کو معلوم ہو جائے اور کوئی تذبذب میں نہ رہے۔

مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱۔ جنوری ۱۸۶۰ء

---

۱ یہ الور کے ہنگامے کی تفصیل ہے جس کے متعلق خط نمبر ۹ میں استفسار کیا گیا تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امین اللہ خاں عرف امو جان وہاں مختار بن گیا تھا اور اس نے اپنے منجھلے بھائی تفضّل حسین خاں کو نائب دیوان اور چھوٹے بھائی انعام اللہ خاں کو فوج کا بخشی مقرر کر دیا تھا۔ امو جان نے راجہ وصیان سنگھ کی والدہ کو بہن بنا لیا تھا۔

ایک اور صاحب اسفندر یار بیگ نے راجپوتوں کو کہ دیا۔ایک ٹھاکر نے راج کے وقت امین اللہ خاں کے مکان پر حملہ کر دیا۔ دیوان کا ایک بیٹا اور خدمتگار مارے گئے میرزا نے خط میں دس آدمیوں کے قتل کا ذکر کیا۔اور تینوں بھائی قید ہو گئے پھر راجا نے انھیں چھڑا کر دہلی بھجوایا۔جبر کسر سے مراد ہے نقصان کی تلافی۔۲مرزا مغل بیگ کا نام جواد علی بیگ تھا۔ غالب کی بہن چھوٹی خانم کا بیٹا تھا۔اسکے چار بیٹے تھے۔جن میں سے آغا میرزا بیگ نے بڑا رتبہ پایا۔اور میر محبوب علی خاں مرحوم نظام دکن کا استاد بن گیا۔سردار الملک خطاب ملا۔نواب ذوالقعد جنگ اس کا فرزند تھا۔آغا میرزا بیگ نے اپنے سوانح حیات خود لکھے جو کارنامہ سروری کے نام سے چھپے۔اب یہ کتاب کمیاب ہے۔۳خواجہ جان اور خواجہ امان، خواجہ حاجی کے فرزند تھے جسے مرزا غالب اپنے دادا سائیس بتاتے ہیں۔خواجہ حاجی ہی تھا جسے نواب احمد بخش خاں مرحوم نے غالب کی خاندانی پنشن میں سے دو ہزار روپے سالانہ دلائے تھے۔۴یہ پہلے سفر رام پور کی کیفیت ہے۔۵باقر علی خاں اور حسین علی خاں فرزندان عارف۶بیگم غالب ۷غالب کے گھر ۸بیگم غالب

## (۱۲)

برخوردار سعادت و اقبال نشان، حکیم غلام نجف خاں کو میری دعا پہنچے۔ تمہاری تحریر پہنچی۔ تم جداگانہ خط نہ لکھا کرو یا خط لکھا اور بیرنگ یا پوسٹ پیڈ جس طرح چاہا۔ اپنے آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھیج دیا۔ مکان کا پتا ضرور نہیں۔ ڈاک گھر میرے گھر کے پاس، ڈاک منشی میرا آشنا۔ اب تم ایک کام کرو۔ آج یا کل ڈیوڑھی جاؤ اور جتنے خط جمع ہیں وہ لو۔ مان سنگی مضبوط کاغذ کا لفافہ کرو اور بیرنگ لکھ کر کلیان کے ہاتھ ڈاک گھر میں بھجوا دو اور اپنے خط میں جو حال شہر میں نیا ہو۔ وہ مفصل لکھو۔ جناب حکیم صاحب کو سلام نیاز اور ظہیر الدین احمد خاں کو دعا کہنا۔

اب میرا حال سنو، تعظیم و توقیر بہت، ملاقاتیں تین ہوئی ہیں۔ ایک مکان کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہے۔ رہنے کو ملا ہے۔ یہاں پتھر تو دوا کو بھی میسر نہیں۔ خشتی مکان گنتی کے ہیں۔ کچی دیواریں اور کھپریل۔ سارے شہر کی آبادی اسی طرح پر ہے، مجھ کو جو مکان ملے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہیں۔ ہنوز کچھ گفتگو درمیان نہیں آئی۔ میں خود ان سے ابتدا نہ کروں گا۔ وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہیں گے گے۔ مگر بالواسطہ کارپردازان سرکار۔ دیکھوں کیا کہتے ہیں اور کیا مقرر کرتے ہیں؟ میں سمجھا تھا کہ میرے پہنچنے کے بعد جلد کوئی صورت قرار پائے گی۔ لیکن آج تک کہ جمعہ آٹھواں دن میرے پہنچے کو ہے۔ کچھ کلام نہیں ہوا۔ کھانا دونوں وقت سرکار سے آتا ہے اور وہ سب کو کافی ہوتا ہے۔ غذا میرے بھی خلاف طبع نہیں۔ پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں۔ ایک دریا ہے کوسی سبحان اللہ ایسا میٹھا پانی کہ پینے والا گمان کرے

کہ یہ پھیکا شربت ہے۔ صاف سبک، گوارا، سریع النفوذ[۲] اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدمے سے محفوظ ہوں۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ہے۔ لڑکے بھی تندرست ہیں۔ آدمی بھی توانا۔ مگر ہاں ایک عنایت[۳] دو دن سے کچھ بیمار ہے۔ خیر اچھا ہو جائے گا۔ والدعا

جمعہ ۳۔ فروری ۱۸۶۰ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میاں،

تم نے برا کیا کہ لفافہ کھول کر نہ پڑھ لیا۔ بارے آج سہ شنبہ ۱۴۔فروری صبح کے وقت یہ لفافہ پہنچا اور اسی وقت پڑھوایا گیا۔ خط لفٹنٹ گورنر بہادر کا نہیں۔ یہ خط نواب گورنر جنرل بہادر کے چیف سکرٹر کا ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے:

''از دفتر خارجہ سکرٹر اعظم، حکم دیا جاتا ہے عرضی دینے والے کو کہ جواب اس عرضی کا نواب گورنر جنرل بہادر بعد دریافت کے از شاد فرمائیں گے۔ از کیمپ لودھیانہ ۲۸۔جنوری ۱۸۶۰ء

---

۱حکیم احسن اللہ خاں ۲کمال حسن بیان کی یہ کتنی عمدہ مثال ہے ۳میرزا کا ملازم۔ اس خط میں بھی رام پور کے حالات ہیں۔

---

یہاں کا یہ حال ہے کہ نواب لفٹنٹ بہادر آگرہ سے مراد آباد چاہتے ہیں۔ مراد آباد یہاں سے چار کوس ہے۔ نواب صاحب دورے کو اپنے ملک کے گئے ہیں۔ دو چار دن میں پھر آئیں گے۔ اگر ان کی ملاقات کو مراد آباد جائیں گے۔ میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلی سے کچھ علاقہ نہیں۔ مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہے۔ جو واقع ہوگا تمہیں لکھوں گا۔

یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو۔ تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمہاری استانی کو لکھا ہوں۔ کیا تم سے اتنا ہو سکتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سناؤ۔ اب ان کا خیال ہوگا کہ اس انگریزی خط میں کیا لکھا ہے۔ تم میرا خط ہاتھ میں لے جاؤ اور حرف بحرف

پڑھ سناؤ۔

لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں۔ کبھی میرا دل بہلاتے ہیں۔ کبھی مجھ کو ستاتے ہیں بکریاں، کبوتر بٹیریں، تکل کنکو سب سامان درست ہے۔ فروری مہینے کے دو دو روپے لے کر دس دن میں اٹھاؤ لے۔ پھر پرسوں چھوٹے صاحب! آ ٹے کہ دادا جان کو ہم کو قرض حسنہ دو، ایک روپیہ دونوں کو دیا گیا آج ۱۴ ہے۔ مہینا دور ہے۔ دیکھیے کے بار قرض لیں گے۔ یہاں کا رنگ نواب صاحب کے آنے پر جو ہوگا اور جو قرار پائے گا وہ مفصل تم کو لکھوں گا اور تم اپنی والدہ کو سنا دینا۔ ہاں بھائی یہ بھی گھر میں پوچھ لینا کہ کدار ناتھ نے اندر باہر کی تنخواہ بانٹ دی؟ میں نے وفاداری اور حلال خوری تک کی بھی تنخواہ بھیج دی ہے۔

سہ شنبہ ۱۴۔ فروری ۱۸۶۰ء غالب

صاحب،

کل آخر روز تمہارا خط آیا۔ میں نے پڑھا۔ آنکھوں سے لگایا پھر بھائی ضیا الدین خاں صاحب کے پاس بھجوایا۔ یقین ہے کہ انھوں نے پڑھ لیا ہوگا۔ ما کتب فیہ معلوم ہوگا۔ تمہارے یہاں نہ ہونے سے ہمارا جی گھبراتا ہے۔ کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے۔ کہ واب خیر کب آؤ گے۔ کے برس، کے مہینے کے دن راہ دکھاؤ گے۔ یہاں کا حال جیسا کہ دیکھ گئے ہو، بدستور رہے:

زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

جاڑا پڑ رہا ہے۔ تو انگر غرور سے، مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے۔ ۳ آبکاری کے بندوبست جدید نے مارا۔ عرق ۴ کے نہ کھینچنے کی قید شدید نے مارا۔ ادھر انسداد دروازہ آبکاری ہے۔ ادھر ولایتی عرق کی قیمت بھاری ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی فضل صاحب حیدرآباد گئے ہیں۔ مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ محی الدولہ محمد یار خاں سورتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے۔ پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو گیا ہو تو مجھ کو ضرور لکھو۔

---

۱ حسین علی خاں ۲ بیگم غالب ۳ سبحان اللہ کیا بیان ہے۔ ۴ شراب

---

زیادہ کیا لکھوں؟

کیوں ظہیر الدین، کیا میں اس لائق نہ تھا کہ تو ایک خط مجھ کو الگ لکھتا یا اپنے

باپ کے خط میں اپنے ہاتھ سے اپنی بندگی لکھتا؟ حکیم غلام نجف خاں خط لکھنے بیٹھے ۔تیری بندگی لکھ دی۔ تیرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ۔اس بندگی کے آنے کی مجھے کیا خوشی؟

صبح یک شنبہ ۱۱۔ جنوری ۱۸۶۳ء

غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۱۵)

بھائی،

میں تم کو کیا بتاؤں میں کیسا ہوں۔ طاقت یک قلم جاتی رہی ہے۔ پھوڑا بدستور ہے۔ رستا ہے۔ خیر محل اندیشہ نہیں ہے۔ رس رس کر مادہ نکل جائے گا۔ اس سے زیادہ خستہ و رافسردہ ہوں۔ قبض کہ وہ جانی دشمن ہے۔ ان دنوں میں حد کو پہنچ گیا ہے۔ بہ ہر حال۔

مرگیست بنام زندگانی

حضرت غور کی جگہ ہے۔ ایک مکان دلکشا، کوچے کی سیر۔ بازار کا تماشا، دو کمرے دو کوٹھڑیاں، آتشدان، صحن وسیع۔ اس کو چھوڑ کر دو مکان لوں جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے۔ دروازہ وہ تاریک کہ دن کے بغیر چراغ کے رانہ نہ ملے اور پھر ڈیوڑھی پر حلال خوروں کا مجمع، گوہ کے ڈھیر۔ کہیں حلال خوروں کا بچہ ہگ رہا ہے۔ کہیں بیل بندھا ہوا ہے۔ کہیں کوڑا پڑا ہوا ہے۔ عیاذ باللہ خدا نہ لے جائے ایسے مکان میں۔

تم نے وہ مسودہ کیوں نہیں بھیجا۔ میں خدمت گزاری کو آمادہ ہوں ۱۲

۱۸۶۴ء نجات کا طالب، غالب

# (۱۶)

میاں،

تمہارا گلہ میرے سر چشم پر لیکن میرا حال سن لو اور اپنے وہم و قیاس پر عمل نہ کرو۔ پہلے ظہیر ولپذیر کا خط آیا۔[1] پڑھتے ہی اس کا جواب لکھ رکھا۔ دوسرے دن ڈاک میں بھجوایا۔ مضمون بہ تغیر یہ: تم جو پھوڑے پھنسی میں مبتلا رہتے ہو۔ اس کا سبب یہ کہ مجھ میں تمہارا الہو ملتا ہے۔ اور میں احتراق خون کا پتلا ہوں۔ پھر تمہارا خط آیا۔ تیسرے دن اس کا جواب بھجوا دیا۔ مضمون یہ کہ تم سے تو میرا پیارا ظہیر الدین اچھا کہ جاتے وقت مجھ سے مل گیا اور وہاں پہنچتے ہی مجھ کو خط لکھا۔ رسید ڈاک گھر سے ملتی نہیں۔ خط دونوں پیڈ تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر میں ممکن نہیں کہ میرے وہ دونوں خط رہ گئے ہیں۔ شیخو پور کی ڈاک کے ہرکاروں نے نہ پہنچایا۔ میرا کیا قصور؟ البتہ سرنامے پر صرف بستی کا نام اور تمہارا نام تھا۔ محلے کا نام نہ تھا۔ شاید اس

---

[1] ظہیر الدین ابن حکیم غلام نجف خاں

---

سبب سے خط نہ پہنچا ہو۔ اسی وقت تمہارا خط آیا۔ میں نے لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھیں۔ اب عنایت اللہ کو تمہارے گھر بھیجتا ہوں۔ اور پچھوا منگواتا ہوں۔ کہ پتا وہاں سے کیا لکھا جاتا ہے۔

لو صاحب عنایت اللہ آیا اور یہ پرزہ لایا ہے۔ پتا سرنامے پر لکھتا ہوں۔ مگر ڈاک کا وقت نہیں رہا۔ کل صبح بھیج دوں گا۔

حکیم ظہیر الدین کو دعا۔ بیٹا۔ اب اس وقت مجھ میں دم نہیں۔ دعا پر قناعت کر۔ تیرے خط کا جواب جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ بھیج چکا ہوں۔ جھوٹے پر لعنت تو بھی کہہ۔ بیش باد۔" ؎

نواب مصطفیٰ کل شہر میں آ گئے۔ مع قبائل آئے ہیں۔ ذیقعدہ میں چھوٹے لڑکوں کی ختنہ اور ذی الحجہ میں محمد علی خاں کی شادی کریں گے۔

آج پانچواں دن ہے، شہر میں مرغ کے انڈے کے برابر اولے پڑے۔ کہیں کہیں اس سے بڑے بھی۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جدید آئے دربار کیا۔ میری تعظیم اور مجھ پر عنایت۔ میری تمنا سے زیادہ کی۔ آؤ گے تو مفصل سن لوگے۔

شنبہ ۴۔ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ یکم اپریل ۱۸۶۵

نجات کا طالب، غالب

(۱۷)

میاں،

چانول برے، بڑھتے نہیں، لمبے نہیں، پتلے نہیں۔ اب زیادہ قصہ نہ کرو۔ پرانے اور پتلے جانول آئیں۔ ایک روپے کے خیر کر کے بھیج دو۔ یاد رہے۔ نئے چانول قابض ہوتے ہیں اور پرانے چاول قابض نہیں ہوتے۔ یہ میرا تجربہ ہے۔

شام کو میر امجد الدین صاحب کہتے تھے کہ حکیم غلام نجف کے پاس ایک کاتب ہے۔ دس بارہ جزو کی ایک کتاب نثر کی مجھ کو لکھوانی ہے۔ یہ معلوم کر لو کہ وہ صاحب روپے کے کے جزو دیکھیں گے اور روز کس قدر لکھ سکتے ہیں۔ یہ تو اب لکھ اور پھر دوپہر کے بعد ان کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کاغذ او رمنقول عنہ حوالے کروں۔ ظہیر الدین کو دعا کہو اور اسکا حال لکھو۔

غالب

## (۱۸)

برخوردار حکیم غلام نجف خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔بدھ کا دن۔پہر بھر دن چڑھا ہوگا میں فقط پالکی پر مرادآباد پہنچا۔۲۰ جمادی الاول (۱۲۸۲ھ کی اور ۱۱۔اکتوبر ۱۸۶۵ء کی ہے۔دونوں لڑکے، دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں۔اب آئے جاتے ہیں۔رات بخیر گزرے۔بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائیں گے۔گھبرایا ہوا ہوں۔تیسرا دن ہے پاے خانہ پھرے کو۔لڑکے بخیر و عافیت ہیں۔اپنی استانی سے کہہ دینا۔میرزا شہاب الدین خاں کو دعا۔نواب ضیاء الدین کو سلام، میرا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔ضرور ضرور، ظہیر الدین دعا دے خا ہوگا۔اسکو میری بندگی کہنا۔[1]

غالب

---

[1] ظاہر ہے کہ یہ خط اس زمانے میں لکھا گیا جب حکیم غلام نجف خاں اور حکیم ظہیر الدین اپنے وطن شیخوپور (یوپی) گئے ہوئے تھے[2] سر ڈانلڈ مکلوڈ جو سر رابرٹ منٹگمری کے بعد ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۰ء تک پنجاب کا لفٹنٹ گورنر رہا۔دہلی کا علاقہ ۱۸۸۷ء کے بعد پنجاب میں شامل ہو گیا تھا۔

## (۱۹)

اقبال نشان، عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں کو غالب علیشاہ کی دعا پہنچے۔
تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تشویش ہے۔ خدا کی قسم میں یہاں خوش اور تندرست ہوں۔ دن کا کھانا ایسے وقت آتا ہے کہ پہر دن چڑھے تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکتے ہیں۔ شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے۔ کئی طرح کے سالن، پلاؤ متنجن، پسندے دونوں وقت روٹیاں خمیری، چپاتیاں ہر بے، اچار، میں خوش، لڑکے بھی خوش، کلوا چھا ہو گیا۔ سقا، مشعلچی، خاکروب سرکار سے متعین ہے۔ حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے۔ آج تک دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ تعظیم تواضع، اخلاق کسی بات میں کمی نہیں۔

ظہیر الدین خان بہادر کو دعا پہنچے۔ یہ خط لے کر تم اپنی دادی۲ صاحب کے پاس جاؤ پڑھ کر سناؤ اور ان سے یہ کہہ دو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی۔ وہ غلط ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ باقی خیر و عافیت۔

صبح شنبہ ۲۱۔ ماہ اکتوبر ۱۸۶۵ء

غالب

## (۲۰)

صاحب،

تم سچ کہتے ہو۔ بھائی فضل[۳] اللہ کی غمخواری اور مددگاری کا کیا کہنا ہے۔ مگر لور سے مجھ کو لہنا نہیں۔ یاد رکھنا کہ وہاں سے مجھے کچھ نہ آئے گا۔ بفرض محال اگر ملا تو ڈھائی سو روپیہ، سو وہ بھی بھائی فضل اللہ خاں کا دینا ہے۔ ان کا قرض ادا ہو جائے گا۔ احیانا اگر خلاف میرے عقیدے کے پانسو روپیہ کا حکم ہوا اور وہ آ جائیں تو بعد اطلاع ڈھائی سو میاں فضل کو دے کر مجھے لکھنا۔

باقی کے واسطے میں جس طرح، اس طرح کرنا۔

لو صاحب شیخ چلی بنا، خیالی پلاؤ پکا لیا۔ اب روداد سنو۔ نواب[۴] صاحب کا اخلاص و التفات روز افزوں ہے۔ آج منگل کا دن ۴۔ جمادی الثانی ۱۲۸۲ھ کی اور ۲۴۔ اکتوبر ۱۸۶۵ء کی ہے۔ کھانے کی اور گھوڑوں اور بیلوں کے گھانس دانے کی نقدی ہوگئی۔ لیکن اس میں میرا فائدہ ہے۔ نقصان نہیں۔ دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اس کی ہے۔ بعد جشن کے رخصت ہوں گا۔ خدا چاہے تو آخر دسمبر تک تم کو دیکھتا ہوں۔ ظہیر الدین خاں کو دعا۔

(۲۴۔ اکتوبر ۱۸۶۵ء)

---

۱ یہ اور اس سے اگلے تین خط دوسرے سفر رام پور سے متعلق ہیں۔ ۲ ظاہر ہے کہ یہ خطاب ظہیر الدین کو ہے نہ کہ غلام نجف خاں کو، اس لیے کہ بیگم غالب کو دادی لکھا۔ اگر خطاب غلام نجف خاں سے ہوتا تو والدہ یا استانی لکھتے۔ ۳ یہ امین اللہ خاں الور

کے بھائی تھے۔ راجا شیو دھیان سنگھ کو اختیارات ملے تھے تو یہ دربار الور میں پہنچ گئے تھے۔ نواب کلب علی خاں والی رام پور جن کے جشن جلوس میں شریک ہونے کے لیے میرزا غالب دوسری مرتبہ رام پور گئے تھے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۲۱)

صاحب،

تمہارے دو خط متواتر آئے۔ ظہیر الدین کا آگرہ، جانا، میرا خط اس کو موسومہ تمہارے پاس پہنچنا اور اس کا آگرہ کو روانہ ہونا۔ ظہیر الدین کی دادی کا بعارضہ سرفہ و سعال رنجور رہنا۔ کدار ناتھ کا مجھ سے خفا ہونا۔ مکان کے روکنے کی اجازت کا مانگنا فضل حسین سے میرے واسطے دریوزہ، تفقد کرنا۔ یہ مدارج و مطالب معلوم ہوئے۔ ظہیر الدین کا خط تم نے کیوں کھولا؟ وہ مغلوب الغضب ہے، تم پر خفا ہوگا۔ اس کی دادی اس موسم میں ہمیشہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک نسخہ اس کے پاس ماء اللحم کا ہے۔ وہ کھنچوا دو اور ذرا خبر لیتے رہو۔ کدار ناتھ لڑکا ہے۔ وہ مجھ سے کیا خفا ہوگا۔ روپیہ جو خزانہ میں جمع ہوگا۔ آخر وہی لائے گا۔ خفا میں ہوں کہ روپیہ دام پایا اور میرا تمسک نہ دیا اور چھتیس روپے آٹھ آنے کا نہ باٹنا۔ مکان کے روکنے کو اور کس طرح لکھوں؟ شہاب الدین خاں کو لکھا۔ شمشاد علی بیگ کو لکھا، اب تم کو لکھتا ہوں ستمبر کے پانچ روپے آٹھ آنے دے آیا ہوں۔ اکتوبر، نومبر، دسمبر یہ سولہ روپے آٹھ آنے آ کر دوں گا۔ بلکہ اگر موقع بنے گا تو یہ سا ماہہ یہاں سے بطریق ہنڈوی بھیج دوں گا۔

اسماعیل خاں صاحب کو میری دعا کہو اور یہ کہہ ڈیوڑھی کی سیڑھی بنوا دیں اور حویلی کے پاے خانے کی صورت درست کروا دیں۔ ہاے قسمت، اس قسمت پر لعنت کہ میاں فضل حسن میرے مربی و محسن بنیں اور پھر واے محرومی کہ مطلب بر

آ ری نہ ہو۔ لونڈوں کا احسان زہر قاتل ہے۔ فضل اللہ خاں میرا بھائی ہے۔ اس کا احسان مجھ کو گوارا، سو بار اس سے کہا اور ہزار بار کہوں گا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ اس سے زنہار نہ کہیے گا نہ لکھیے گا۔ اگر کچھ کہو تو فضل سے کہو تفضّل سے کہو الا۔ لا۔ کہوں گا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ اس سے زنہار نہ کہیے گا نہ لکھیے گا۔ اگر کچھ کہو، تو فضل سے کہو تفضّل سے کہو الا لا۔

نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو یا کل آ جائیں گے۔ جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں

یکشنبہ ۱۲۔ نومبر ۱۸۶۵ء صبح کا وقت

نجات کا طالب غالب

## (۲۲)

میاں،

آج صبح کو تم آئے تھے۔ میں اس ٹکٹ کے قصے میں ایسا الجھا کہ تم سے کہنا بھول گیا۔ اب میر عنایت صاحب تمہارے پاس پہنچے ہیں۔ جس امر میں یہ تم سے کوشش چاہیں۔ تم کو میری جان کی قسم، بہ دل متوجہ ہو کر اس کام کو انجام دو۔ امر سہل ہے۔ کچھ بات نہیں ہے۔ مگر درصورت سعی۔ خدا کے ہاں سے تم کو بڑا اجر ملے گا اور میں تمہارا ممنون ہوں گا۔[۱]

۱۸۶۶ء نجات کا طالب

غالب،

---

[۱] اشارہ بیگم غالب کی طرف [۲] کھانسی [۳] مطلب یہ کہ کدارناتھ کا جتنا روپیہ میرزا کے ذمے تھا وہ اس نے وصول کر لیا، لیکن قرضے کا تمسک واپس نہ کیا۔ [۴] منشی مہیش پرشاد کے مجموعہ خطوط غالب سے ماخوذ ہے۔

## (۲۳)

حکیم غلام نجف خاں،

اگر تم نے مجھے بنایا ہے۔یعنی استاد اور باپ کہتے ہیں۔ یہ امر از روے تمسخر ہے تو خیر اور اگر از روے اعتقاد ہے تو میری عرج مانو اور ہیرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو۔اس نے اگر حکیم احسن اللہ خاں ک سے رجوع کی۔وہ تمہارے بھائی بھی ہیں ..... اور تم کو ان سے استفادہ بھی ہے۔ اگر گھبرا کہ حکیم محمود خاں کے پاس گیا، تو ان کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے۔ ابتدا مین ان سے پڑھے ہو۔پس یہ غریب سوائے تمہارے اگر گیا تو تمہارے ہی علاقہ میں گیا۔وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے ترک آ کر۔اب جو حاضر ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اس پر بہ نسبت سابق کے زیادہ توجہ فرماؤ اور بہ دل اس کا معالجہ کرو۔

۱۸۶۶ء

التفات کا طالب،

غالب

# حکیم ظہیر الدین احمد خاں

## (۱)

اقبال نشان، حکیم ظہیر الدین احمد خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ کہو میاں، تمہارا مزاج کیسا ہے۔ اور تمہارے بھائی مرزا تفضّل حسین کیسے ہیں؟ اگر ملو تو میری دعا کہنا اور مزاج کی خبر پوچھنا اور اپنے والد ماجد کو میری دعا کہنا اور کہنا تمہارا خط میرے خط کے جواب میں تھا۔ اس صورت میں اور کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔

سنو میاں ظہیر الدین تم اپنی دادی کے پاس ابھی چلے جاؤ۔ اور ان سے میری اور دونوں لڑکوں کی خیر و عافیت کہو اور پوچھو کہ شہاب الدین خاں نے اکتوبر کے مہینے کی تنخواہ کے پچاس روپے پہنچا دیے یا نہیں۔[۲] کدارنا تھ ڈیوڑھی پر آ کر جعفر بیگ، وفادار وغیرہ کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں؟ اچھا میر ابیٹا باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر لکھیو۔ دیر نہ کیجیو۔[۳]

پنجشنبہ ۲۔ نومبر ۱۸۶۵ء

خط کے جواب کا طالب،

غالب

## (۲)

جناب فیض ماب چچا صاحب، قبلہ و کعبہ دو جہاں کے حضور میں کورنش و تسلیم پہنچاتا ہوں اور ہزار زبان سے اس توپ کے مرحمت فرمانے کا شکر بجالاتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا توپ، جس کی آواز سے رعد کا دم بند اور رنجک کے رشک سے بجلی کو رنج، گولہ اس کا خدا کا قہر، دھواں اس کا دریائے عشق کی لہر۔ استغفر اللہ کیا باتیں کرتا ہوں، جھوٹ سے دفتر بھرتا ہوں۔

[1] حکیم غلام نجف خاں [2] یہ اس رقم کی طرف اشارہ ہے جو بیگم غالب کو لوہارو سے ملتی تھی [3] یہ خط رام پور سے لکھا گیا جب غالب دوسری مرتبہ کلب علی خاں کی مسند نشینی میں شریک ہونے کے لیے گئے تھے۔

کیسی رنجک، کیسا دھواں، کیسا گراب، یہ وہ توپ ہے کہ بغیر ان عوارض کے صرف اس کی آواز سے رستم کا زہرہ آب ہو جائے۔ اب بارود ہو تو رنجک اڑے۔ اگ وہکائیں تو دھواں ہو۔ گولہ چھا کچھ اس میں بھریں تو ظاہر میں کہیں نشاں ہو۔ صرف اس کی آواز پر مدار ہے۔ نئی ترکیب اور نیا کاروبار ہے۔ ایک آواز اور اس میں یہ اعجاز کہ دوست کو فتح کی شلک کی صدا سنائے۔ دشمن سنے تو ہیبت سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے۔ آواز کا صدمہ اگرچہ صور سے دونا ہے۔ مگر ہمیں یہی کہتے بن آتا ہے۔ کہ صور کا نمونہ ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے، دیکھو تو کیسی ندرت ہے۔ توپ کا گولہ ہی میں رہ جائے اور جو قلعہ روبرو آئے۔ وہ ڈھے جائے۔ دانا آدمی اسے زنجیری گولہ کہتا ہے کہ توپ میں سے نکل کر پھر وہیں الجھ رہتا ہے۔ اچھے

میرے چچا جان، یہ توپ کس نے بنائی اور تمہارے ہاتھ کہاں سے آئی، جو دیکھتا ہوں حیران ہوتا ہے۔ اب شہر میں جا بجا اسی کا بیان ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ تم کو ہمارے سر پر سلامت رکھے اور ہمیشہ بدولت و اقبال و عز و کرامت رکھے۔!

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# نواب حسین میرزا اور متعلقین

میر محمد امین موسوی حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی اولاد میں سے تھا۔ ہندوستان آ کر اس نے بڑا عروج حاصل کیا۔ سعادت خاں برہان الملک کا خطاب ملا اور اودھ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ صرف لڑکیاں تھیں۔ جن میں سے ایک کو اس نے اپنے بھانجے میرزا مقیم سے بیاہ دیا تھا۔ اسے بعد میں صفدر جنگ خطاب ملا۔ شجاع الدولہ آصف الدولہ، سعادت علی خاں غازی الدین حیدر، وغیرہ اس کے خلاف اور جانشین تھے۔

میر محمد امین کا ایک ہم جد اس کے ساتھ آیا تھا۔ وہ بھی لکھنو میں مقیم تھا۔ اس شاخ میں سے ایک کا نام غیاث الدین محمد تھا۔ جس کا فرزند اکبر حسام الدین حیدر تھا۔ حسام الدین حیدر کی والدہ فوت ہوگئی تو غیاث الدین محمد نے ذوالفقار الدولہ میر نجف خاں وزیر شاہ عالم ثانی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ نواب سید محمد ندا اسی کے بطن سے تھے۔

حسام الدین حیدر کی سوتیلی والدہ کا سلوک پسند نہ آیا۔ اور وہ لکھنو سے نکل کر دہلی چلے آئے۔ اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ انھوں نے سات گاؤں کی جاگیر کے علاوہ دربار میں عہدہ دے دیا۔ لکھنو سے بھی خاصی رقم ماہوار مل جاتی تھی۔ نقد روپیہ بھی خاص مقدار میں ساتھ لائے تھے۔ دہلی میں جائداد خرید لی۔ شاہان اودھ کو دہلی والی جایداد کا انتظام انھیں کے حوالے ہوگیا۔ مبارز الدولہ ممتاز الملک حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ خطاب ملا۔ بلی ماراں میں ان کی حویلی تھی۔

شاعر بھی تھے۔ اردو میں نامی تخلص کرتے تھے۔ دیوان ریختہ مرتب کرلیا تھا۔ اس کا دیباچہ مرزا غالب نے لکھا تھا۔ جو پنج آہنگ کے آہنگ چہارم میں موجود ہے، سنا ہے کہ اب یہ دیوان ریختہ مہاراجا محمود آباد کے کتب خانہ میں ہے۔ فارسی دیوان

ا یہ خط میرزا نے ظہیر الدین کی طرف سے نجم الدین حیدر کو لکھا تھا۔ تاریخ معلوم نہ ہوسکی۔ اسے صرف اس خیال سے مجموعہ خطوط میں شامل کرلیا کہ تحریر بہ ہر حال میرزا ہی کی ہے۔

بھی تھا لیکن اس کا کوئی پتا نہ چل سکا۔ ۱۸۴۶ء میں فوت ہوئے۔

حسام الدین حیدر خاں کی شادی نواب نجف الدولہ خاں کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے دو فرزند تھے اور ایک دختر۔ فرزندوں میں سے بڑے مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں، چھوٹے معین الدولہ اور ذوالفقار الدین حیدر خاں ذوالفقار جنگ جن کا نام حسین مرزا تھا۔ دختر کا نام قدسیہ سلطان تھا جس کی شادی مرشد آباد کے ایک عالی خاندان امیر محمد نصیر سے ہوئی تھی۔ محمد نصیر زیادہ تر لکھنو میں رہتے تھے۔ لیکن قدسیہ سلطان نے زندگی کا بڑا حصہ دہلی میں گزارا۔ ان کے فرزند سف مرزا تھے۔ جن کے نام غالب کے خطوط ہیں۔ وہ ۸۳-۱۲۸۲ھ (۶۶-۱۸۶۵ء) میں لکھنو میں فوت ہوئے۔

مظفر الدولہ نے کبھی کوئی مشغولیت قبول نہ کی اور اپنی خاندانی جاید اور پر امیرانہ گزر اوقات جاری رکھی۔ ان کی شادی شمس الدولہ بخشی الممالک بخشی محمود خاں کی صاحبزادی عالیہ بیگم سے ہوئی تھی۔

حسین مرزا ۱۲۲۳ھ (۱۸۱۸ء) میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے بھائی سے چودہ برس

اور بہن سے چار برس چھوٹے تھے۔ انکی شادی ضمیر الدولہ جلیل الملک افتخار الامرا احمد حسین نظارت خاں بہادر مستقیم جنگ کی صاحبزادی حسینی بیگم سے ہوئی۔ خسر کے انتقال کے بعد شاہی نظارت کا عہدہ حسین میرزا ہی کو ملا۔ جس پر وہ غدر تک فائز رہے۔

جب غدر ہوا تو مظفر الدولہ کو بھائی کے متعلق سخت تشویش پیدا ہوئی۔ ہندوستانی سپاہ تمام معاملات پر قابض ہو چکی تھی۔ حسین مرزا چاہتے بھی تو ملازمت چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے تھے۔ بلکہ خود بہادر شاہ بھی مجبور اور بے بس تھے۔ جب انگریزی سپاہ دہلی میں داخل ہوئی تو مظفر الدولہ دوسرے لوگوں کے ساتھ الور چلے گئے، جہاں کا راجا انکا دوست تھا۔ الور سے وہ پکڑے آئے اور گوڑ کانوں میں انگریزو افسروں نے مقدمے یا تحقیق و تفتیش کے بغیر انھیں دوسرے لوگوں کے ساتھ گولی مار کر شہید کر ڈالا۔ شیخ ابراہیم ذوق کے اکلوتے فرزند شیخ اسماعیل بھی غالباً انھیں مظلوم کشتوں میں شامل تھے۔

حسین مرزا متعلقین کو لے کر پہلے صفدر جنگ کے مقبرے میں چلے گئے اور کس حالت میں؟ اجمیری دروزاے سے مقبرے تک چار پانچ میل کا فاصلہ ہوگا۔ جسے طے کرنے میں دس ہزار روپے کی رقم لٹیرے گوجروں کے حوالے کرنی پڑی۔ پھر نواب حامد علی خاں، حسین مرزا کو مع متعلقین چپ چاپ نکال کر اپنے گاؤں برست لے گئے۔ جو پانی پت کے قریب ہے۔ وہ دربار کے ناظر ہو چکے ہیں۔ سر گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے۔ لیکن اس سے پیشتر حسین مرزا پانی پت پہنچ گئے۔ انصاریوں نے جانوں پر کھیل کر انھیں بچایا۔ پھر حسین مرزا بھیس بدل لکھنو

پہنچے اور وہاں روپوش رہے۔ جب اعلان عفو عام ہوا تو دہلی واپس آئے۔ لیکن جایداد ضبط ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں ان کے لکھنوی عزیزوں کے علاوہ نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر نے کمال اہتمام سے حق دوستی ادا کیا اور جتنی مدد وہ دے سکتے تھے۔ دیتے رہے۔ سنا ہے کہ حسین مرزا کچھ مدت کے لیے بیکانیر میں تحصیلدار بھی ہو گئے تھے۔

سر سالار جنگ وزیر اعظم حیدر آباد دہلی آئے تو حسین مرزا ان سے بھی ملے۔ سالار جنگ نے پہلے نہ ملنے پر بڑے افسوس کا اظہار کیا اور یہ تاکید کی کہ حیدر آباد آ جائیں۔ وہاں جانا چاہتے تھے۔ اس اثناء میں جنون کے آثار نمودار ہوئے۔ جن ہولناک مصائب سے وہ گزر چکے تھے۔ ان کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ باقی ساری زندگی بہ حالت جنون گزری۔ ۲۔ رمضان ۱۳۰۲ھ (۶۔ مئی ۱۸۸۹ء کو فوت ہوئے۔ میر مہدی مجروح نے تاریخ وفات لکھی:

حسین میرزا چوں مرد دو شش رمضان
ازاں کہ بود ز نسل امیر خبیر گیر
پے شمارہ سال وفات رضواں گفت
بیا بہ کاخ جناں اے امیر ابن امیر

ان کے بڑے فرزند سجاد میرزا تھے۔ اکبر میرزا۔ دونوں کی اولاد موجود ہے۔ اکبر میرزا نے خاندان کے پورے حالات لکھ دیے تھے۔ اس قیمتی کتاب کا مسودہ ان کے فرزند ارجمند احسن میرزا کے پاس ہے۔ انھیں سے مجھے خاندانی حالات تفصیلاً معلوم ہوئے اور اکبر میرزا کی لکھی ہوئی کتاب بھی سرسری طور پر میں نے یہ

دیکھی۔ سجاد میرزا نے ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ء) میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی۔

میرزا غالب سے پورے خاندان کے گہرے تعلقات تھے۔ خصوصاً حسین مرزا سے تو حقیقی بھائیوں کی سی محبت تھی۔ سجاد مرزا اکبر مرزا اور یوسف مرزا کو غالب اپنے عزیز ترین اقربا میں سمجھتے تھے۔ دو آدمی تھے جن کے پاس میرزا کا پورا کلام جمع ہوتا تھا۔ ایک ضیاء الدین احمد خاں نیر، دوسرے ذوالفقار الدین حیدر حسین مرزا، جنھیں بعض اوقات عہدے کی بنا پر میرزا غالب ناظر جی، لکھتے ہیں۔ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے صاحبزادے آغا ابراہیم کی شادی اسی خاندان میں ہوئی تھی۔

# (۱)

جناب نواب صاحب،

شکوہ کرنا سہل ہے۔ سبز سیاہی کہیں سے مفت کی ہاتھ آ گئی۔ حضرت نے شکوہ لکھا۔ یوسف مرزا صاحب نے نظم و نثر کے لکھنے کا حکم چڑھایا۔ بھائی تمہارے خط کا جواب آگے لکھ کر بھیج چکا ہوں۔ اپنی طرف سے سلطان[۱] عالم کو ابھی عرضی نہ لکھوں گا اور جب لکھوں گا تو خدا میرے خداوند[۲] کو سلامت رکھے۔ بواسطہ انکے بھیجوں گا۔ تم کو چاہیے کہ اپنی طرف سے فارسی متعارفہ مروجہ میں لکھ بھیجو۔ یہی تم کو لکھ چکا ہوں اور اب یہی جواب ہے یوسف مرزا کو۔

پرسوں مرزا آغا جان صاحب آئے تھے۔ وہ کہتے تھے ک بھاڑا سنگھ اور کاشی ناتھ آئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ نہ میرے کام کے نہ تمہارے کام کے، کام کریں کیا۔ گنجائش ہی نہیں اور جو کچھ ہوتا جاتا ہے۔ وہ اس اس قسم کا ہے کہ جس طرح صبح ہوئی۔ شام ہوئی۔ ابر آیا۔ مینہ برسا یعنی سعی کو، تدبیر کو، خواہش کو دخل نہیں۔ آبادی[۳] کا آوازہ پھر فرو ہے۔ لاہور دروازے کے علاقے میں کچھ کم سو گھر آباد ہوئے ہیں۔ کئی ہزار گھر کی بستی ہے۔ ان شاءاللہ دو چار برس میں وہ علاقہ آباد ہو جائے گا اور جب وہ علاقہ آباد ہو جائے گا دوسرا علاقہ شروع ہو گا۔ گھبراؤ نہیں جلدی کیا ہے؟ آج سردار سنگھ ولد جگت سنگھ میرے پاس آئے تھے۔ تمہارے مکان کا پتا لکھوا لے گئے ہیں۔ شاید تم کو خط لکھیں۔ میر عنایت حسین گڑھ پنگھ بن کر اڑ گئے۔ کئی آدمیوں سے کہا۔ انھوں نے کہا اب وہ وہاں نظر نہیں آتے۔ میرے

۱؎ واجد علی شاہ پادشاہ اودھ جو ۱۸۵۶ء سے معزول ہو کر کلکتہ میں مقیم تھے۔ ۲؎ مجتہد العصر یعنی دہلی میں ان لوگوں کی آبادی جو غدر میں گھر بار چھوڑ کر باہر نکل گئے تھے۔

پاس ہر ہفتے کے آنے والے اب مہینے بھر سے نہیں آئے۔ میر مرتضیٰ حسین کا خط انکے نام میرے پاس دھرا ہے جب وہ آئیں گے۔ انکو دے دوں گا۔ جگت سنگھ کا لکھنو سے روانہ ہونے کا قصد سردار سنگھ سے کہہ دیا۔ اب کے تمہارے خط میں مظفر میرزا کی طرف سے کچھ نہیں۔ اس سے مستنبط ہوا کہ وہ اور جگت سنگھ۔ جیسا کہ تم نے لکھا تھا، لکھنو سے کول اور مراد آباد کو گئے۔ میر امداد کا ذکر میں نے میرزا آغا جان صاحب سے کر دیا ہے کہ اچھا ہے اگر وہ حسین مرزا صاحب اور حسینی صاحب کی طرف سے مختار ہو جائیں۔ کل جمعہ تھا۔ یقین ہے کہ صاحب کمشنر سے ملے ہو گے عرضی دی ہوگی۔ اس کا حال مجھ کو لکھو۔

یہ ہولیا، اب میرا دکھ سنو۔ بھاگا نہیں، پکڑا نہیں گیا۔ دفتر قلعہ سے کوئی میرا کاغذ نہیں نکلا۔ کسی طرح کی بے خیالی و نمک حرامی کا دھبا مجھ کو نہیں لگا۔ یہاں ایک اخبار جو گوری شنکر یا گوری دیال یا کوئی اور غدر کے دنوں میں بھیجتا تھا۔ اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی لکھی کہ فلانی تاریخ اسد اللہ خاں غالب نے یہ سکہ کہہ کر گزارنا:

بہ زر زد سکہ کشور ستانی
سراج الدین بہادر شاہ ثانی

مجھ سے عند الملاقات صاحب کمشنر نے پوچھا کہ یہ کیا لکھتا ہے؟ میں نے کہا

غلط لکھتا ہے۔ بادشاہ شاعر، بادشاہ کے بیٹے شاعر، بادشاہ کے نوکر شاعر۔ خدا جانے کس نے کہا، اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں نے کہہ گزرانا تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا گزرتا اور آپ کو چاہیے حکیم احسن اللہ خاں سے پوچھیے۔ اس وقت تو چپکا ہو رہا۔ اب جو اس کی بدلی ہوئی تو جانے سے دو ہفتے پہلے ایک فارسی دروبکاری لکھی کہ یہ جو اسد اللہ خاں فارسی کے علم میں یکتا مشہور ہے۔ اس سے کام نہیں نکلتا۔ یہ شخص بادشاہ کا نوکر تھا اور اس کا سکہ لکھا۔ ہمارے نزدیک پنشن کے پانے کا مستحق نہیں ہے۔ غرض اس مقصود سے یہ ہے کہ میں یہاں موجود ہوں اور عملے سے راہ رسم ہے۔ یہ تو کوئی بتاتا نہیں کہ تاریخ روبکاری کیا ہے اور یہ صدر کو بھیجی گئی یا نہیں؟ اب حیران ہوں کہ کیا کروں کمشنر جدید سے ملوں گا۔ اس سے اگر وے کا تو نقل لوں گا۔ جو بازراہ احتیاط اس کمشنر کے عہد میں بھیج چکا ہوں۔ مگر غور..... اور ایک جانب سے مقدمہ کیا! بھائی میں تو علی علی کر رہا ہوں۔ جیوں تو اور مروں تو، کہیں جواب صاف مل چکے تو اس شہر سے چلا جاؤں۔ یہ دو روپے[۲] روز بھی اس غاصب ملعون کی گور میں جائیں، جس نے مجھے دس ہزار روپے سال میں سے یہ کچھ دیا ہے۔ علیہ اللعنت والعذاب۔

یوسف میرزا کو دعا پہنچے۔ بھائی۔ یہاں میر احمد حسین والد میر روشن علی خاں نے مجھ سے کہا کہ حضرت، جب بہادر بادشاہ تخت پر بیٹھے ہیں تو میں مرشد آباد میں تھا۔ وہاں میں نے یہ سکہ سنا تھا۔ ان کے کہنے سے مجھے یاد آیا کہ مولوی محمد باقر نے خبر وفات اکبر شاہ و جلوس بہادر شاہ جہاں چھاپی تھی۔ وہاں اس سکے کا گزرنا ذوق کی طرف چھاپا تھا اور جلوس بہادر شاہ اکتوبر کے مہینے ۱۸۳۷ء یا ۱۸۳۸ء[۳] میں ہوا

ہے۔بعض صاحب اخبار جمع رکھتے ہیں۔اگر وہاں اس کا پتا پاؤ گے اووہ پرچہ اخبار اصل بجنسہ مجھ کو بھجواؤ گے تو بڑا کام کرو گے۔میں نے اکبر آباد فرخ آباد، مارہرہ، میرٹھ اپنے احباب کو لکھا ہے۔اب تم کو بھی لکھا ہے۔کالپی کو لکھنا باقی ہے۔وہ بھی کل پرسوں لکھوں گا۔اکتوبر، نومبر، دسمبر، ۱۸۳۷ء ۱۸۳۸ء تین مہینوں کے بارہ پارچہ اخبار دیکھے جائیں

محررہ شنبہ ۱۸۔جون ۱۸۵۹ء

---

۱جہاں نقطے لگائے ہیں وہ عبارت پڑھی نہیں گئی۔۲میرزا کو باسٹھ روپے آٹھ آنے پنشن ملتی تھی۔اسے دو روپے روز سے تعبیر کیا۔۳صحیح تاریخ جلوس اکتوبر ۱۸۳۷ء ہے۔

## (۲)

یا حسین ابن حیدر، روحی فداک

یہاں تک لکھ چکا ہوں۔ کہ محمد قلی خاں کے نام کا خط کلو سے بنو بیگم صاحبہ نے لے لیا۔ محمد قلی علی جی! گئے ہوئے تھے۔ کل رضا شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ بیگم صاحب نے وہ خط رستم علی کو دیا اور وہ اس خط کو لے کر درگاہ گئے۔ آفرین صد آفرین میر رستم علی کو دوست کے کام کے واسطے اتنی دور پیادہ جانا۔ آج دوپہر کو میر صاحب پاس آئے اور وہی خط کھلا ہوا لائے اور کہا کہ میں نوندرائے کو حرف بہ حرف یہ خط پڑھا لایا ہوں۔ میں نے کہا کہ کاشی ناتھ کو کیوں نہ دکھایا؟ انھوں نے کہا کہ تم سے کچھ کہے گا نہ میرے پاس آئے گا۔ میں نے میر صاحب سے کہا آپ ہی کاشی ناتھ کو دکھا کر اور اس سے بات چیت کر کے مجھ کو لا دیجئے گا۔ وہ اس خط کو بموجب میرے کہنے کے لیے گئے۔ کل پرسوں وہ آئیں گے۔ تب فکر کی جائے گی۔ مگر بھائی، بیچ یہ پڑا ہے کہ محمد قلی خاں رضا شاہ کیساتھ پاتو دی جاتے ہیں۔ محرم وہاں کریں گے۔ لاڈو بیگم والدہ اکبر علی خاں نے ان کو بلایا ہے تو اب یہ مقدمہ ان کی معاودت کے بعد ہوگا۔ کاغذ میرے پاس دھرے رہیں گے۔

صاحب، محمد قلی خاں نے غلط لکھا ہے۔ نہ حسن علی خاں مقید، نہ حامد علی خاں، نہ حکیم احسن اللہ خاں آخر ان تینوں صاحبوں کے واسطے نہیں ہوا۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات پر ان کو قبضہ مل گیا۔ زنانے مکان میں جو عقب حمام ہے۔ ایک انگریز اترا ہوا ہے۔ پینتیس روپے مہینا ان کو کرایہ دیتا ہے اور وہ دونوں آدمی ابھی

یونہی الجھے ہوئے ہیں۔ احسن اللہ خاں اپنے مکان میں جا رہے۔ دیوان خانے کو محل سرا بنایا خود جہاں اصطبل تھا۔ وہاں بیٹھتے ہیں۔ دیبی رام، سالگ رام کو ان کے مکانات مل گئے۔ ایسا بھی سنا ہے کہ ان کے دفینے بچ گئے۔ اب وہ حامد علی خاں کو قطب الدین سوداگر کی حویلی سے اٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے ہیں۔ سردار مرزا کا حال مجھے اس سے معلوم نہیں کہ رضا شاہ کبھی کبھی ان کی بندگی مجھ کو کہہ دیتے ہیں۔ آج یا کل رضا شاہ آ گئے تو میں بیگانہ دار نکاح و متعہ کا حال ان سے پوچھ لوں گا۔

پنجشنبہ ۲۶ ذی الحجہ (۱۲۷۶ھ)

۲۸۔ جولائی ۱۸۵۹ء

---

درگاہ شاہ مرداں دہلی حسن علی خاں اور حامد علی خاں

(۳)

بھائی،

تمہارے خطوں کا اور یوسف میرزا کے خطوں کا جواب بھیج چکا ہوں۔ محمد قلی خاں صاحب ہمہ تن مصروف ہیں۔ دوا لی کی تعطیل ہو چکی ہے۔ نوندا رائے کی بی بی مرگئی ہے۔ وہ غمزدہ ہو رہا ہے۔ مگر خیر، کام کام کرے گا۔ کاشی ناتھ بے پروا آدمی ہے۔ تم ایک خط تاکیدی اسکو بھی لکھ بھیجو۔ اکثر وہ کہا کرتا ہے کہ حسین مرزا صاحب جب لکھتے ہیں۔ مرزا نوشہ صاحب ہی کو لکھتے ہیں۔ یہ امر اس پر ظاہر نہ ہو کہ میں نے تمہیں یوں لکھا ہے۔ مطلب اپنا اس کو لکھو۔

میں کیا کروں؟ اگر کہوں کہ میری جان بھی تمہارے کام آئے تو میں حاضر ہوں۔ یہ کہنا تکلف محض ہے، کون جان دیتا ہے اور کون کسی سے جان مانگتا ہے؟ مگر جو فکر مجھ کو تمہاری ہے اور جو میری دسترس ہے اس کو میرا خدا اور میرا خداوند جانتا ہے۔ دسترس کو تم بھی جانتے ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اوائل ماہ آیندہ یعنی نومبر میں نیر اوالا مقدمہ درست ہو جائے گا۔

ان سطور کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ ابھی چنی لال تمہارا راقم ضخواہ آیا تھا۔ تمہارا حال پوچھتا ہوں۔ کچھ جھوٹ سچ کہہ کر اس کو اس راہ پر لایا ہوں کہ سو دو سو روپے تم کو بھیج دے۔ نبیوں کی طرح تقریر اس کو سمجھائی ہے کہ لالہ جس درخت کا پھل کھانا منظور ہوتا ہے تو اس کو پانی دیتے ہیں۔ حسین میرزا تمہارے کھیت ہیں۔ پانی دو تو کچھ اناج پیدا ہو۔ بھائی کچھ تو نرم ہوا ہے۔ تمہارے مکان کا پتا لکھوا کر لے گیا ہے

۔اور کہہ گیا ہے کہ میں اپنے بیٹے رامجی داس سے صلاح کر کے جو بات ٹھہرے گی ۔ آپ سے آ کر کہوں گا ۔اگر وہ روپیہ بھیج دے تو کیا کہنا ہے اور اگر ہو خط لکھے اور تم اس کا جواب لکھو تو یہ ضرور لکھنا کہ اسد اللہ نے جو تم سے کہا ہے وہ سچ ہے اور وہ امر ظہور میں آنے والا ہے ۔بس زیادہ کیا لکھوں ۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ سردار مرزا صاحب[۲] تشریف لائے ۔میں نے خط ان کو نہیں دکھایا ۔مگر عنداالاستفسار کہا گیا کہ خط حسین مرزا صاحب کو لکھتا ہوں ۔ انھوں نے کہا میرا سلام لکھنا کہ یہاں سب خیر و عافیت سے ہیں اور سب کو دعا سلام کہتے ہیں ۔یوسف مرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ اس وقت سردار میرزا سے دریافت ہو گیا کہ عباس میرزا کے نام کا تمہارا رقعہ ان کو پہنچ گیا ۔

شنبہ ۲۹ ۔اکتوبر ۱۸۵۹ء

---

[۱] ضیاء الدین احمد خاں نیر ،مقدمے سے مراد غالباً مقدمہ ہے جو نیر نے اپنے بڑے بھائی نواب لوہارو کے خلاف دائر کیا تھا[۲] ان سے مراد غالباً سردار میرزا ابن نواب حیدر حسین خاں ہیں جو اعتماد الدولہ میر فضل علی نائب السلطنت اودھ کے نواسے یعنی مراؤ بیگم کے بیٹے تھے ۔وہ حسین مرزا کے ہم زلف تھے ۔گویا ان کی شادی بھی ضمیر الدولہ جلیل الملک افتخار الامرا محمد حسین نظارت خاں بہادر مستقیم جنگ کی ایک صاحبزادی سے ہوئی تھی ۔عباس مرزا یوسف مرزا اور وزیر میرزا ان کے بیٹے تھے ۔ جو یوسف حسین مرزا کے بھانجے تھے وہ اور صاحب تھے ۔

## (۴)

جناب عالی!

کل آپکا خط لکھا ہوا سہ شنبہ یکم نومبر کو پہنچا۔ لطف یہ کہ کل وہی سہ شنبہ کا دن ۔ ۸۔ نومبر کی تھی ۔ آج بدھ کا دن ۹۔ نومبر کی صبح کے وقت میں تم کو خط لکھنے بیٹھا تھا کہ برخوردار یوسف میرزا کا خط لکھا ہوا۔ ۳۔ نومبر کا پہنچا۔ اب میں دونوں خطوں کا جواب باہم لکھتا ہوں ۔ دونوں صاحب باہم پڑھ لیں ۱۲

مرزا آغا جانی صاحب اچھی طرح ہیں۔ ان کو تپ آ گئی تھی ۔ اب تپ مفارقت کر گئی ہے ۔ مگر ضعف باقی ہے۔ آج چوتھا دن ہے کہ میرے پاس آئے تھے ۔ کاشی ناتھ سراسر پہلو تہی کرتا ہے ۔ نوندرائے یک سر ہزار سو ۔ محمد قلی خاں اکثر علی جی رہتے ہیں۔ کبھی یہاں آ جاتے ہیں۔ تب نوندرائے کو تاکید کرتے ہیں ۔ آج کل یہاں پنجاب احاطہ کے بہت حاکم فراہم ہیں۔ پون ٹوٹی کے باب میں کونسل ہوئی ۔ پرسوں ، نومبر کو جاری ہوگی ۔ سالگ رام خزانچی چھنا مل مہیش داس ۔ ان تینوں شخصیوں کو یہ کام بطور امانی سپرد ہوا ہے ۔ غلے اور اپلے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں کہ جس پر محصول نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے ۔ خلق کا اژدحام ہے ۔ آگے حکم تھا کہ مالکان رہیں، کرایہ دار نہ رہیں ۔ پرسوں سے حکم ہوگیا ہے کہ کرایہ دار بھی رہیں ۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ تم یا میں کوئی اور اپنے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے ۔ وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور ہمیشہ سے کرایے کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی آ رہیں ۔ مگر کرایہ سرکار کو دیں ۔ تم انصاف کرو کہ ہمشیر کی درخواست کیوں کر گزرے

؟ جب وہ خود آئیں اور درخواست دیں اور منظور ہو اور مکان ملے تو اس تمام شہرستان ویران میں سے ایک حویلی ملے گی اور ان کو یہاں رہنا ہوگا۔ کیوں کہ اس ویرانے میں تنہا رہیں گی؟ سہم کر دم نکل جائیگا۔ مانا کہ جبر اختیار کر کر رہیں۔ کھائیں گی کہاں سے؟ بہر حال یہ سب خیالات خام اور جملے ناتمام ہیں۔ نقل حکم یعنی اور پھر مرافعہ کرنا اور پھر اس حکم کی نقل لینی۔ یہ امور ایسے نہیں کہ جلد فیصل ہو جائیں۔ حکام بے پروا، مختار عدیم الفرصت، میں پا شکستہ، محمد قلی خاں کبھی وہاں۔ وقت پر موقوف ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات شہر ان کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ، دروازے سے باہر نہ نکلو۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے۔ وہ قاضی کے حوض میں کرایے کے مکانات میں مع متوعہ کے رہتے ہیں۔ باہر جانے کا حکم ان کو بھی نہیں۔ میرزا الٰہی بخش کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے۔ انھوں نے زمین پکڑی ہے۔ سلطان جی میں رہتے ہیں۔ عذر کر رہے ہیں۔ دیکھیے یہ جبر اٹھ جائے یا یہ خود اٹھ جائیں[2]۔

۹۔ نومبر ۱۸۵۹ء

---

[1] غالب کے عزیز دوست اعتماد الدولہ میر فضل علی کے بھانجے اور داماد۔ یہ اصل میں قصبہ برست کے رہنے والے تھے جو پانی پت کے پاس ہے۔ میر فضل علی لکھنو جا کر ترقی کرتے کرتے نصیر الدین حیدر کے زمانے میں نائب السلاطنت بن گئے۔

[2] یعنی دیکھیے یہ حکم واپس ہو جائے یا وہ تعمیل حکم پر مجبور ہو جائیں۔

## (۵)

نواب صاحب،

آج تیسرا روز ہے کہ حال تم کو لکھ چکا ہوں۔ محمد قلی خاں آئے۔ ہم میں ان میں باہم گفتگو ہوئی۔ نواب گورنر کی آمد میں کچہریاں بند، حکام میرٹھ کو چلے جاتے۔ ۱۹ یا ۲۰ دسمبر کو میرٹھ مخیم خیام ہوگا۔ دربار و ہیں ہوگا۔ رہا دلی کا آنا۔ مشتبہ فیہ ہے۔ کوئی کہتا ہے نہ آئیں گے کوئی کہتا ہے جریدہ بسبیل ڈاک آئیں گے۔ کوئی کہتا ہے مع لشکر آئیں گے پانچ دن یہاں رہیں گے۔ آج ۱۵۔ دسمبر کی ہے جو کچھ واقع ہوگا وہ تم کو لکھوں گا۔ نقل حکم کی درخواست اور اس مقدمہ کی فکر اس ہنگامہ کے عمل میں آئے گی۔ خاطر عاطر جمع ہے۔

تمہارا دوست ابھی حسب الحکم کمشنر ہانسی حصار کل یا پرسوں میرٹھ کو جائیگا اور ادھر سے امین الدین خاں بھی وہاں آئے گا۔ میرا دربار اور خلعت دریا برد ہو گیا۔ نہ پنسن کی توقع نہ دربار اور خلعت کی صورت، نہ سزانہ انعام نہ رسم معمولی قدیم

یوسف مرزا کو دعا پہنچے۔ پرسوں کلو جوتا لے آیا۔ کل دونوں طرف سے کھلا ہوا لے کر گیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے الٹا پھیر دیا اور کہا کہ پولندہ بنا لاؤ۔ پولندہ بنا کر لے گیا۔ کہا بارہ پر دو بجے لے لیا جائیگا۔ بیٹھا رہا۔ رات کے نو بجے اس کے سامنے روانہ ہوا۔ رسید لے کر اپنے گھر آیا۔ خدا کرے تم کو پہنچ جائے اور پسند آئے۔

قصیدے کے باب میں میں مایوس مطلق ہوں۔ مگر جو کچھ واقع ہو بطریق خبر

لکھ بھیجنا۔ ۲ مثنوی با دمخالف ہے کی رسید تمہاری تحریر سے معلوم ہوگئی۔ فیل خانہ، فلک پیرا۔ لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرائے گئے۔ بلاقی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے۔ اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں۔ اہل قلم بچاتے ہیں ہے پایان کار دیکھیے کیا ہو۔

جمعہ ۱۶۔ دسمبر ۱۸۵۹ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۶)

نواب صاحب،

پرسوں صبح تمہارا خط پہنچا۔ پہر دن چڑھے لارڈ صاحب کا لشکر آیا۔ کابلی دروازے کی فصیل کے قریب، بھولو شاہ کی قبر کے سامنے خیمہ خاصہ برپا ہوا اور باقی لشکر تیس ہزاری باغ تک اترا ہے۔

پنجشنبہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۵۹ء

---

۱؎ اشارہ بہ ظاہر ضیاء الدین نیر کی طرف ہے۔ اس لیے کہ اگلی سطر میں امین الدین احمد خاں والی لوہارو کا ذکر ہے۔ ۲؎ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی مدح میں لکھ کر بھیجا گیا تھا۔ وہ اگرچہ معزول ہو کر کلکتہ پہنچ چکے تھے۔ لیکن غالب کبھی کبھی غالب کبھی کبھی لکھنؤ کے مجتہد العصر کی وساطت سے ان کی مدح میں قصیدہ بھیج دیتے تھے۔ ۳؎ غالب کی فارسی مثنوی جو کلکتہ میں ادبی ہنگامہ بپا ہونے کے سلسلے میں بہ طور معذرت لکھی گئی تھی۔ ضمناً اس میں بعض اعتراضات کا جواب دیا تھا۔ نیر فارسی زبان کے باب میں اپنا مسلک واضح کیا تھا۔ ۴؎ یعنی عسکری اور کشوری لوگ۔ غدر کے بعد شہر کا انتظام کچھ مدت فوجیوں کے ہاتھ میں رہا۔ پھر کشوریوں یعنی محکمہ نظم و نسق کے ہاتھ آیا۔ اوپر کے فقرے میں جن مقامات کا نام آیا ہے۔ وہ دہلی کے مختلف محلے تھے۔

---

آپ غالب کی مصیبتوں کی داستان سنیے۔ پرسوں تمہارا خط پڑھ کر لشکر کو گیا۔ میر منشی سے ملا۔ ان کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سکرٹر بہادر کو اطلاع کروائی۔

چپراسی کیساتھ کلو بھی گیا ۔ جواب آیا کہ ہمارا سلام دو اور کہو کہ فرصت نہیں ہے ۔ خیر میں اپنے گھر آیا ۔کل پھر گیا خبر کروائی ۔حکم ہوا کہ غدر کے زمانے میں تم باغیوں کی خوشامد کرتے رہتے تھے ۔اب ہم سے ملنا کیوں مانگتے ہو؟ عالم نظر میں تیرہ تار ہوگیا ۔ یہ جواب پیام نومیدی جاوید ہے ۔ نہ دربار خلعت ، نہ پنسن ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

بقیہ خبر لشکر یہ ہے کہ راجا بھرت پور برات لے کر پٹیالہ گیا تھا اور اس سبب سے آگرہ میں لارڈ صاحب سے نہیں ملا تھا ۔ایک ہفتے سے معاودت کر کے یہاں آیا ہوا تھا ۔آج اس کی ملازمت ہے ۔

شنبہ ۳۱ ۔دسمبر ۱۸۵۹ء گیارہ بجے ہوں گے ۔ میں خط لکھ رہا ہوں ۔توپیں چل رہی ہیں ۔شاید راجا صاحب کی ملاقات اسی وقت ہوئی ۔کل یک شنبہ ہے ۔ پرسوں دوشنبہ یا سہ شنبہ کو لارڈ صاحب کو کوچ ہے ۔ کہتے ہیں کہ پشاور تک جائینگے ۔

کل صبح کو محمد قلی خاں آئے ۔ایک عرضی انگریزی ان کے ہاتھ میں کہنے لگے یہ عرضی طالب علی فیل بان نے مجھ کو پھیر دی ہے اور کہا ہے کہ اس کے گزرانتے کا موقع نہیں ۔ مین اس وقت سوار ہوا چاہتا تھا ۔تمہاری یاس سن کر گیا ۔ اپنا داغ حسرت جیسا اوپر لکھ آیا ہوں لے کر آیا ۔

ابراہیم علی خاں الور میں مستسقی ہو کر مر گئے ۔خدا ان کو بخشے اور مجھ کو بھی یہ دن نصیب کرے ۔کمشنر صاحب کا نائب یہاں کوئی نہیں اور نہ کسی انگریزی خواں سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے ۔ اتنا مسموع ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے اور یہ حکم ہے کہ جو رعیت کا مال کالوں نے لوٹا ہے ۔

البتہ اس کا معاوضہ بحساب وہ یک سرکار سے ہوگا۔ یعنی ہزار روپیہ کے مانگنے والے کو سو روپیہ ملیں گے۔ اور جو گوروں کے وقت کی غارت گری ہے۔ وہ ہدر اور بحل ہے اس کا معاوضہ نہ ہوگا۔ شاید یہ وہی کمشنر ہوں۔

مکانات کو حامد علی خاں کا کہہ کر کیوں لکھتے ہو؟ وہ تو مدت سے ضبط ہو کر سرکار کا مال ہوگیا۔ باغ کی صورت بدل گئی۔ محل سرا اور کوٹھی میں گورے رہتے تھے۔ اب پھاٹک اور سرتاسر دکانیں گرادی گئیں۔ سنگ وخشت کو نیلام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا۔ مگر نہ سمجھو کہ حامد علی خاں کے مکان کا ملبہ بکا ہے۔ سرکار نے اپنا مملوکہ ومقبوضہ ایک مکان ڈھا دیا۔ جب بادشاہ اودھ کی املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کو کون پوچھتا ہے۔ تم اب تک سمجھے نہیں ہو کہ حکام کیا سمجھتے ہیں اور نہ کبھی سمجھو گے۔ کیسا نوندرائے کیسی نقل حکم، کیسا مرافعہ جو احکام کہ دلی میں صادر ہوئے ہیں۔ وہ احکام قضا و قدر ہیں۔ ان کا مرافعہ کہیں نہیں۔ اب یوں سمجھ لو کہ نہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے۔ نہ جاہ وحشم رکھتے تھے۔ نہ املاک تھے۔ نہ پنشن رکھتے تھے۔ رام پور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہولیا۔ جب تم لکھتے ہو کہ اللہ تم وہاں جاؤ تو مجھ کو ہنسی آتی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہلال ماہ رجب المرجب رام پور میں دیکھوں،

---

[1] یعنی ان سپاہیوں نے جنھیں انگریز باغی کہتے تھے

---

جو تدبیر وثیقے[1] کے باب میں تم نے کی ہے۔ وہ بہت مناسب ہے۔ بشرط پیش ہونے کے اور ولایت پہنچنے کے۔ سجاد میرزا اور اکبر میرزا[2] اپنی پیرانہ سیر میں اس پر قابض ہو رہیں گے۔ ان شاء اللہ العلی العظیم۔

یوسف میرزا خاں کو دعا پہنچے۔ حال قصیدہ و مخمس کا معلوم ہوا۔ قبلہ وہ کعبہ وہ کررہے ہیں جو ابا اولاد سے اور آقا غلام سے سلوک کرتا ہے۔ ان کو منظور ہے کہ دعا کا عطیہ جدا پاؤں اور ثنا کا حوصلہ جدا پاؤں:

کار ساز ما بفکر کارِ ما

لیکن میری جان، انصاف تو کر ان صلوں میں زندگی تو بسر نہیں ہوتی۔ یہ فکر بے ہودہ ہے۔ زندگی میری کب تک؟ سات مہینے اور بارہ مہینے سال آیندہ ۳ کے۔ اسی مہینے میں اپنے آقا کے پاس جا پہنچا ہوں۔ وہاں نہ روٹی کی فکر، نہ پانی کی پیاس، نہ جاڑے کی شدت، نہ گرمی کی حدت، نہ حاکم کا خوف، نہ مخبر کا خطرہ۔ نہ مکان کا کرایہ دینا پڑے۔ نہ کپڑا خریدنا پڑے۔ نہ گوشت گھی منگاؤں۔ نہ روٹی پکواؤں۔ عالم نور او سر اسر سرور۔

یا رب ایں آرزوے من چہ خوش است
تو بدیں آرزو مرا برساں

روز شنبہ ۳۱، دسمبر ۱۸۵۹ء

بندہ علی ابن ابی طالب، آرزومندِ مرگ

غالب

# نواب یوسف میرزا

## (۱)

کوئی ہے؟ ذرا یوسف میرزا کو بلائیو! لو صاحب وہ آئے!

میاں، میں نے کل خط تم کو بھیجا ہے۔ مگر تمہارے ایک سوال رہ گیا ہے اب سن لو تفصّل حسین خاں اپنے ماموں موید الدین خاں کے پاس میرٹھ ہے۔ شاید دلی آیا ہو۔ مگر میرے پاس نہیں آیا۔ والدان کے غلام علی اکبرآباد میں ہیں۔ مکتب داری کرتے ہیں۔ لڑکے پڑھاتے ہیں، روٹی کھاتے ہیں۔ تم لکھتے ہو کہ پچاس محل، واجد علی شاہ کے کلکتہ گئے۔ تمہارے ماموں[1] محمد قلی خاں کے خط میں لکھتے ہیں کہ شاہ اودھ بنارس آ گئے۔ اس خبر کو اس خبر کے ساتھ منافات نہیں ہے۔ ادھر سے آپ بنارس کو چلے ہوں۔ ادھر سے بیگمات کو وہاں بلایا ہو۔ میری جان ہم کو کیا:

عالم پس مرگ ماچہ دریا، چہ سراب

۱۸۵۶ء

---

[1] وثیقہ کا مطلب سمجھ لیجیے۔ شاہان اور بیگمات اودھ کا ایک دستور یہ تھا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بڑی بڑی رقمیں بہ طور قرض دیتے تھے اور ان کے سود کی رقم اپنے مختلف عزیزوں، متوسلوں اور ملازموں کے نام لکھ دیتے تھے۔ یہ رقمیں کمپنی کے خزانے سے ان لوگوں کو ملتی رہتی تھیں۔ اصطلاح میں اسے وثیقہ کہتے تھے۔ حسین میرزا اور ان کے بھائی مظفر الدولہ کو بھی لکھنو سے غالباً پانچ پانچ سو روپے ماہوار بہ طور وثیقہ

ملتے تھے۔ جو غدر میں ضبط ہو گئے۔ حسین میرزا نے اس کی بحالی کا کوئی تدبیر اختیار کی، جس کی تفصیل میرزا نے نہیں بتائی۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حسین میرزا اس کے لیے ولایت میں چارہ جوئی کے خواہاں تھے۔[۲] حسین میرزا کے فرزند[۳] یہ خط رجب ۱۲۷۶ھ میں لکھا گیا۔ میرزا غالب کا خیال تھا وہ ۱۲۷۷ھ میں مر جائیں گے۔ ایک قطعہ تاریخ وفات بھی انھوں نے کہا تھا جو دوسری جگہ نقل ہو چکا ہے۔[۴] ظاہر ہے کہ اس مکتوب کا ابتدائی حصہ ۲۹۔ دسمبر کو اور باقی خط ۳۱۔ دسمبر کو لکھا گیا۔

## (۲)

اے میری جان، اے میری آنکھیں:

ز ہجران طفلے کہ درخاک رفت

چہ نالی؟ کہ پاک آمدو پاک رفت

وہ خالق کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لیکر آیا تھا۔ یہاں رہ کر کیا کرتا؟ ہرگز غم، نہ کرو اور ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اولاد بہت نانا نانی ۲ کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو؟ وہ اپنی اجل سے مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا بنی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے؟ ہاں مظفر الدولہ ۳ کا غم منجملہ واقعات کربلائے معلّٰی ہے۔ یہ داغ ماتم جیتے جی نہ مٹے گا۔ والد کی خدمت بجالانے کا ہرگز افسوس نہ چاہیے۔ کچھ ہوسکتا ہو اور نہ کیا ہو تو مستحق ملامت ہوتے۔ کچھ ہو ہی نہ سکے تو کیا کرو۔ اب تو فکر یہ پڑی ہوئی ہے کہ رہیے کہاں اور کھائیے کیا مولانا ۴ کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا۔ کچھ تم مجھ سے معلوم کرو۔ مرافعہ میں حکم دوام حبس بحال رہا۔ بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریاے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ان کا بیٹا ۵ ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ جو ہونا تھا، سو ہولیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ناظر ۶ کو سلام کہنا اور کہنا کہ حال اپنا مفصل تم کو لکھ چکا ہوں۔ وہ دہلی اردو اخبار کا پرچہ اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے۔ ورنہ خیر کچھ محل خوف وخطر نہیں ہے۔

حکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کریں گے۔ میں نے سکہ کہا نہیں۔ اگر کہا تو اپنی جان و حرمت کو بچانے کو کہا۔ یہ گناہ نہیں۔ اگر گناہ بھی ہے تو ایسا سنگین ہے کہ ملکہ معظّمہ کا اشتہار بھی اس کو نہ مٹا سکے؟

---

۱؎ حسین میرزا ۲؎ حسام الدین حیدر خاں اور اس کی بیگم ۳؎ یوسف میرزا کا بڑا اماموں، حسین میرزا کے ابرادر کلاں مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں جو غدر میں مارا گیا ۴؎ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ ۵؎ مولوی عبدالحق خیر آبادی۔ ۶؎ حسین میرزا

---

سبحان اللہ گولہ انداز کا بارود بنانا اور توپیں لگانی اور بنک گھر اومیگزین کا لوٹنا معاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہ ہوں، ہاں صاحب گولہ انداز کا بہنوئی مددگار ہے۔ اور شاعر کا سالا بھی جانب دار نہیں۔

لو، حضرت میر عنایت حسین صاحب کل آئے۔ میر ارتضی حسین کا خط دیدیا۔ عینک لگا کر خوب پڑھا۔ کہہ گئے ہیں کہ اس کا جواب کل لاؤں گا۔ میں تو صبح کو یہ خط روانہ کرتا ہوں۔ وہ آج یا کل لاؤں گا۔ میں تو صبح کو یہ خط روانہ کرتا ہوں۔ وہ آج یا کل جب خط لاویں گے۔ اس کو جداگانہ لفافہ میں روانہ کر دوں گا۔ مظفر میرزا دیکھیے کب تک آوے اور مجھ سے کیوں کر ملے۔

ایک لطیفہ پرسوں کا سنو۔ حافظ مموبے گناہ ثابت ہو چکے۔ رہائی پا چکے۔ حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں۔ املاک اپنی مانگتے ہیں، قبض و تصرف ان کا ثابت ہو چکا، صرف حکم کی دیر۔ پرسوں وہ حاضر ہوئے، مثل پیش ہوئی۔ حاکم نے پوچھا، حافظ محمد بخش کون؟ عرض کیا کہ میں۔ پھر پوچھا حافظ مموکون؟ عرض کیا کہ میں، اصل نام میرا محمد بخش ہے۔ مموممو مشہور رہوں۔ فرمایا یہ کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش

بھی تم، حافظ مموبھی تم، جو دنیا میں ہے، وہ بھی تم، ہم مکان کس کو دیں؟ مثل داخل دفتر ہوئی، میا مموا پنے گھر چلے آئے۔

ہاں صاحب، خواجہ بخش درزی کل سہ پہر کو میرے پاس آیا۔ میں نے جانا ایک ہاتھی کوٹھے پر چڑھ آیا ہے۔ کہتا تھا کہ آغا صاحب کو میری بندگی لکھ بھیجنا۔ میرن صاحب آجکل پانی پت کو جایا چاہتے ہیں۔ میر کاظم علی ابن قلندر علی الور سے آئے ہوئے۔ سلطان جی میں اترے ہوئے ہیں۔ میر اشرف علی ابن میر اسد علی مرحوم نے رہائی پائی۔ ابھی املاک کی درخواست نہیں دی۔ ہماری بھابی صاحبہ یعنی زوجہ میر احمد علی خاں مغفور اپنی حویلی میں چین کر رہی ہیں۔ ایک آدھ دن میں جاؤں۔ خدا جانے جمعہ کے دن ناظر جی کی درخواست پر کیا گزری۔ اس وقت تک ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ دھیان لگا ہوا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

(جون ۱۸۵۹)

**(۳)**

میری جان، خدا تیرا نگہبان!

میں نے گرڑ پھنک کو دام میں پھنسایا۔ پھر قفس میں بند کر کے یہ رقعہ لکھوایا۔ میر ارتضی حسین کو فقط ان کے نام کی جو عبارت ہے وہ پڑھا دینا تا کہ ان کی خاطر جمع ہو جائے۔ مثنوی کبھی اصلاح نہ پائے گی۔ جب تک سب نہ آ ئیگی۔ لاکھ باتیں بناؤ۔ مجھ کو غیرت دلاؤ غزل جب تک پوری نہ ہو۔ مثنوی جب تک سب نہ لکھی ہو۔ کیونکر اصلاح دی جائے؟ اپنے چھوٹے ماموں صاحب[۲] کو میر اسلام، بہ اعتبار محبت کے اور بندگی بہ اعتبار سیادت کے اور دعا بہ اعتبار یگانگی۔ اور استادی کے کہنا اور کہنا کہ بھائی اور کیا لکھوں؟ جس حکم کی نقل کے واسطے تم لکھتے ہو۔ وہ اصل کہاں ہے، جس کی نقل لوں؟ ہاں زبان زد خلق ہے کہ قدیم نوکروں سے باز پرس نہیں، مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ اے لو، کئی دن ہوئے کہ حمید خاں گرفتار آیا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، حوالات میں ہیں۔ دیکھیے حکم اخیر کیا ہو۔ صرف نوندارے کی

---

۱ گرڑ پنکھ[۲] حسین میرزا

---

مختار کاری پر قناعت کی گئی، جو کچھ ہونا ہے وہ ہو رہے گا۔ ہر شخص کی سرنوشت کے مطابق حکم ہو رہے ہیں۔ نہ قانون ہے نہ قاعدہ ہے۔ نہ نظیر کام آئے، نہ تقریر پیش جائے۔ ارتضی ابن مرتضی خاں کی پوری دو سو روپے کی پنسن کی منظوری کی رپورٹ گئی اور ان کی دو بہنیں سو سو روپے مہینا پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ

تمہارے بھائی مجرم تھے تمہارا پنسن ضبط۔ بطریق نرجم دس روپے مہینا تم کو ملے گا۔ ترحم یہ ہے تو تغافل کیا قہر ہوگا؟ میں خود موجود ہوں اور حکام صدر کا روشناس، پشم نہیں اکھیڑ سکتا۔ ترپین برس کا پنسن ہتقرر اس کا بہ تجویز لارڈ لیک اور بہ منظوری گورنمنٹ اور پھر نہ ملا ہے۔ نہ ملے گا خیر احتمال ہے ملنے کا۔

جانتے ہو کہ علی کا بندہ ہوں۔ اس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کھاتا۔ اس وقت کلو کے پاس ایک روپیہ سات آنے باقی ہیں، بعد اس کے نہ کہیں سے قرض کی امید ہے نہ کوئی جنس رہن و بیع کے قابل۔ اگر رام پور سے کچھ آیا تو خیر ورنہ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

بعض لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ اس مہینے میں پنسن کی تقسیم کا حکم آ جائے گا۔ دیکھیے کہ آتا ہے یا نہیں۔ اگر آتا ہے تو میں مقبولوں میں ہوں یا مردودوں میں۔ مظفر میرزا کا خط الور سے آ گیا۔ بخیر و عافیت پہنچے۔ میر قاسم علی کا قافلہ بھی وہیں ہے۔ میر قاسم علی کی بی بی الور کی تنخواہ مین سے بموجب سہام شرعیہ دو ثلث مظفر میرزا کو ایک ثلث اپنے کو تجویز کرتی ہے۔ ظاہر بموجب تعلیم قاسم علی کے ہے۔

محررہ جمعہ، ذی الحجہ ۱۵، جولائی سال حال

(۱۲۷۵ھ۔ ۱۸۵۹ء)

غالب

(۴)

میاں،

پرسوں قریب شام میاں آغا جانی صاحب آئے۔ وہ اور ان کے متعلق سب اچھی طرح ہیں۔ حسو بیگ ہانسی گئے۔ کل تمہارا خط آیا۔ بھائی تمہیں خارش کیوں ہوئی؟ حسین میرزا صاحب کیوں بیمار ہوئے؟ خدایا ان آوارگان دشت غربت کو جمعیت، جب تو چاہے عنایت کر، مگر تصدق مرتضی علی کا تندرست رکھ۔ اللہ اللہ، حسین میرزا کی ڈاڑھی سفید ہوگئی! یہ شدت رنج وغم کی خوبیاں ہیں۔ اس خط کے پہنچتے ہی اپنی اور ان کی خیر و عافیت لکھنا۔ جہاں تم نے اپنے نام کا خط پڑھا۔ وہاں کا حال یہ ہے:

بہ گفت احوال ما برق جہاں است
دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلی نشینم
گہے بر پشت ہائے پائے خود نہ بینم

ہمارے خداوند ہے قبلہ و کعبہ ہیں خدا انکو سلامت رکھے۔ آغا باقر کا امام باڑا اس سے علاوہ کہ خداوند کا

---

اشرعی حصے۔

---

عزا خانہ ہے؛ ایک بنائے قدیم رفیع مشہور۔ اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا؟ یہاں دو سڑکیں دوڑتی پھرتی ہیں: ایک ٹھنڈی سڑک، ایک آہنی سڑک۔ محل ان کا

الگ الگ۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارک بھی شہر میں بنے گا اور قلعے کے آگے جہاں لال ڈگی ہے۔ ایک میدان نکالا جائے گا۔ جنوب کی دکانیں، بھیلیوں کے گھر، فیل خانہ بلاقی بیگم کے کوچے سے خاص بازار تک، یہ سب میدان ہو جائے گا۔ یوں سمجھو کہ اموجان کے دروازے سے قلعے کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنووں کے آثار عمارت باقی نہ رہیں گے۔ آج جاں نثار خاں کے چھتے کے مکان ڈہنے شروع ہو گئے ہیں۔ کیوں میں دلی کی ویرانی سے خوش نہ ہوں؟ جب اہل شہر ہی نہ رہے۔ شہر کو لے کے کیا چولہے میں ڈالوں؟

---

حسین میرزا صاحب کو میرا سلام کہنا۔ یہ رقعہ پڑھا دینا۔ ان کا خط موسومہ محمد قلی خاں آیا۔ کلو کے ہاتھ انکے گھر بھجوایا۔ ان کا گھر کہاں؟ وہ تو میر احمد خاں مرحوم کی بی بی کے ہاں رہتے ہین وہ نہ تھے۔ جب بھابی صاحبہ کو معلوم ہوا کہ میرے دیور کا آدمی ہے۔ انھوں نے مدعا دریافت کر کے خط رکھولیا اور کلو سے کہا کہ بھائی کو سلام کہنا کہ محمد قلی خاں علی جی گئے ہوئے ہیں خط ان کے پاس بھجوا دوں گی۔ کل رضا شاہ آئے تھے۔ میں نے ان کو کہا تھا کہ تم میر احمد علی خاں کی بی بی کو تاکید کر دینا کہ خط ضرور کا ہے اسکو بہ احتیاط پہنچا دینا۔

صاحب، تمہاری انا کو میں کیا جانوں، کس پتے سے ڈھونڈوں؟ دوا سے میں نے پوچھا۔ امر النساء کو وہ نہ سمجھی، واجد علی کی ماں کر کے پہچانا۔ سو وہ کہتی تھیں کہ واجد علی مع اپنی ماں کے پہاڑ گنج گیا ہے۔

ہمشیرہ کی عرضی کے روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا تم سمجھو اگر وہ عرضی فی الحقیقت کمشنر نے بھیج دی ہے تو بے شک مدعائے سائلہ قبول کر کے بھیجی ہے۔

اگر خود نہ منظور کرتا تو کبھی نہ بھیجتا۔ باقر علی اور حسین علی۔ اپنی دادی کے ساتھ ضیاء الدین احمد خاں کی والدہ کے پاس قطب صاحب گئے ہوئے ہیں۔ ایاز اور نیاز علی ان کے ساتھ ہیں۔ وہ بندگیاں اور ایک دعا اور دو آداب ملتوی۔ دوا اور کلو اور کلیان کی بندگیاں پہنچیں۔ قمر الدین خاں پرسوں آیا تھا۔ اب آئے گا تو دعا تمہاری اس کو کہہ دوں گا۔

۲۸، جولائی ۱۸۵۹ء  غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۵)

حق تعالیٰ تمھیں عمر بھر دولت و اقبال و عزت دے۔ خط محررہ دوم محرم میں کوئی مطلب جواب طلب نہ تھا۔ میرزا حیدر صاحب کی رحلت کی خبر تھی۔ اور بس۔ کل بدھ کا دن دونوں مہینوں کی ۱۷ تاریخ ۲ تھی۔ صبح کے وقت مرزا آغا جانی صاحب آئے اور انھوں نے فرمایا کہ حسین مرزا کی حرم لکھنو سے آئی تھی۔ نی فتن کے ہاں اتری تھی۔ اب وہ پاٹودی کو اپنے بیٹے کے پاس گئی۔ کہتی تھی کہ نصیب اعدا ناظر بہت بیمار ہے۔ خدا خیر کرے۔ یوسف میرزا میری جان نکل گئی۔ کیا کروں؟ کیوں کر خبر منگاؤں۔ یا علی یا علی یا علی دس بار دل سے کہا ہوگا کہ مداری کا بیٹا دوڑا ہوا آیا اور تین خط لایا۔ یعنی وہ نیچے حویلی میں تھا۔ ڈاک کے

---

۱ یعنی ریلوے لائن ۲ یعنی محرم و اگست تقویم سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں ایک دن کا فرق تھا لیکن میرزا کا بیان تقویم کے مقابلے میں زیادہ یقینی ہے۔

---

ہرکارے نے خط لا کر دیے۔ نیاز علی اوپر لے آیا۔ ایک خط عزیز ۱ کا اور ایک خط ہرگوپال تفتہ کا اور ایک خط ذوالفقار حیدر مولوی ۲ کا میاں قریب تھا کہ خوشی کے مارے مجھ کو رونا آ جائے۔ بارے اس خط کو میں نے آنکھوں سے لگایا، مچھلیاں ۳ لیں۔

اب تم تماشا دیکھو۔ ۱۳ محرم کا خط، ۱۷ کو مجھے پہنچا۔ اس میں مندرج کہ جمعے کے دن ۱۹ کو بسبیل ڈاک کلکتے جاؤں گا اور پھر حضرت مجھ سے مطلب کا جواب مانگتے ہیں۔ ہاں جب کلکتے پہنچ لیں گے اور وہاں سے مجھ کو خط بھیجیں گے اور اپنے

مسکن کا پتا لکھیں گے۔ تب جو کچھ مجھ کو لکھنا ہوگا لکھوں گا۔ آغا صاحب کو سب خط سنا دیا اور ان کو اسی وقت کاشی ناتھ کے پاس بھیجا تا کہ وہ اس کو گرمائیں اور شرمائیں اور کچھ سجاد میرزا کے واسطے بھجوائیں۔ ضیاء الدین خاں دو ہفتہ سے یہاں ہے۔ اپنے باغ میں اترے ہوئے ہیں۔ دوبارہ میرے پاس بھی دو گھڑی کے واسطے آئے تھے۔ کچھ ان کی منظور ہے رعایت اخلاص و محبت قدیم ہے۔ خدا چاہے تو کچھ سجاد میرزا کو اور کلکتہ سے ان کے خط کے آنے کے بعد کچھ ناظر جی کو ان سے بھجواؤں۔

میرا وہی حال ہے۔ بھوکا نہیں ہوں۔ مگر کسی کی خدمت گزاری کی توفیق نہیں ہے۔ اگر کہوں تو کون باور کرے۔ اور وہ بات خود کہنے کی نہیں۔ کرنے کی ہے۔ سو کرنے کا مقدور نہیں۔ تفضّل حسین خاں ابن غلام علی خاں میرٹھ میں اپنے ماموں کے پاس ہے۔ شہر میں آیا تھا۔ میرے پاس بھی آیا تھا۔ تمہارا سلام کہہ دیا۔ پرسوں پھر وہ میرٹھ گیا۔ بھائی فضلو عرب سرا میں رہتے ہیں۔ پرسوں سے آئے ہوئے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ عرضیاں دیتے پھرتے ہیں، کوئی سنتا نہیں، تم کو سلام کہتے ہیں۔ آمد و رفت کا ٹکٹ موقوف ہو گیا۔ فقیر اور ہتھیار جس پاس ہو وہ نہ آئے اور باقی ہندو، مسلمان، عورت، مرد، سوار، پیار، جو چار چلا آئے، چلا جاء۔ بغیر آبادی کے ٹکٹ کے، رات کو رہنے نہ پائے۔ وہ شور و غل تھا کہ سڑکیں نکلیں گی اور گوروں کی چھاؤنی بنے گی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ مرپٹ کر ایک جاں نثار خاں کے چھتے کی سڑک نکلی، دلی والوں نے لکھنو کا خاکہ اڑا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ لاکھوں مکان ڈھا دیے اور صاف میدان کر دیا۔ میں جانتا ہوں ایسا نہ ہوگا۔ بات اتنی ہی ہے جو تم نے لکھی

ہے ۔بہر حال اب جو کچھ اور ناظر جی کے روانہ ہو جانے کی خبر اور سجاد اور اکبر اور اس کی ماں کی خیریت اور اپنے باپ کا حال لکھو۔

پنجشنبہ ۱۸ محرم الحرام ۱۲۷۶ھ (۱۸ اگست ۱۸۵۹ء)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۶)

میری جان شکوہ کرنا سیکھو۔ یہ باب میں نے ابھی تم کو پڑھایا نہیں۔ کوئی خط تمہارا نہیں آیا کہ میں نے اسی دن یا دوسرے دن جواب نہ لکھا ہو۔ بلکہ میں ایسا جانتا ہوں کہ جو تم نے مجھ کو شکایت نامہ بھیجا ہے۔ اس کے بعد ایک خط میرا بھی تم کو پہنچا ہوگا۔ یہ خط کل آیا۔ آج میں اس کا جواب لکھتا ہوں۔

---

۱یوسف علی خاں عزیز ۲حسین مرزا ۳دیکھیے اسلوب بیان کتنا پاکیزہ اور بے تکلف ہے۔ پھر الفاظ ایسے انتخاب کیے کہ جذبات کے طبعی مدوجزر یا تغیر کی پوری تصویر سامنے آجائے ۴نواب ضیاء الدین احمد نے اس دور میں حسین میرزا کی امداد میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا۔

---

سنو صاحب تم جانتے ہو کہ میں چودہ پارچے کا خلعت ایک بار اور ملبوس خاص شال، رومال، دوشالہ ایک بار پیشگاہ حضرت سلطان عالم ۱سے پا چکا ہوں۔ مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت مجھ کو دوبارہ کس کے ذریعہ سے ملا ہے؟ یعنی جناب قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر مدظلہ العالی۔ اب آدمیت اس کی مقتضی نہیں ہے کہ میں بغیر ان کے توسط کے مدح گستری کروں۔ چنانچہ قصیدہ لکھ کر اور جیسا کہ میرا دستور ہے۔ کاغذ بنوا کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیج دیا ہوگا اور میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھنو کو بھیج دیا ہے۔ اسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زبدۃ العلماء سید نقی صاحب ۲اگر کلکتہ پہنچ گئے ہوں و مجھ کو اطلاع دو۔ داروغ املاک کے باب میں جو مناسب اور معقول

اور واقعی ہے۔ وہ میں نے پردہ عالیشان مظفر حسین خاں کے خط میں لکھتا ہوں۔ یہ ورق پڑھ کر کران کی خدمت میں گزرا ان دو وجود ارشاد کریں مجھ کو لکھو۔ تمہارے اس خط کے مطالب مندرجہ کا جواب ہو چکا۔ اس سے زیادہ میرے پاس کوئی بات اس وقت لکھنے کو نہیں ہے۔ مگر یہ کہ ایک خط تمہارے ماموں صاحب کے نام کا بھیج چکا ہوں۔ اگر وہ پہنچے گا اور خدا کرے پہنچے تو اس سے تم کو ایک حال معلوم ہوگا۔

شنبہ ۵۔ نومبر ۱۸۵۹ء

غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۷)

یوسف میرزا،

میرا حال سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرت غم سے سودائی ہو جاتے ہیں۔ عقل جاتی رہتی ہے۔ اگر اس ہجوم غم میں میری قوت متفکرہ میں فرق آ گیا ہو تو کیا عجب ہے۔ بلکہ اس کا باور نہ کرنا ناغضب ہے۔ پوچھو کہ غم کیا ؟ غم مرگ غم فراق غم رزق۔ غم عزت، غم مرگ میں قلعہ نامبارک[۳] سے قطع نظر کر کے اہل شہر کو گنتا ہوں، مظفر الدولہ میر ناصر الدین، میرزا عاشور بیگ میرا بھانجا اس کا بیٹا احمد میرزا، انیس برس کا بچہ، مصطفیٰ خاں ابن اعظم الدولہ، اس کے دو بیٹے ارتضی خاں اور مرتضی خاں، قاضی فیض اللہ، کا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا؟ اے لو، بھول گیا۔ حکیم رضی الدین احمد خاں، میر احمد حسین میکش اللہ اللہ ان کو کہاں سے لاؤں غم فراق حسین مرزا میر مہدی، میر سرفراز حسین، میر ن صاحب، خدا ان کو جیتا رکھے۔ کاش یہ ہوتا کہ جہاں ہوتے، وہاں خوش ہوتے۔ گھر ان کے بے چراغ وہ خود آوارہ۔ سجاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ کہنے کو ہر کوئی ایسا کہہ سکتا ہے۔ مگر میں علیؑ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں عالم میری نظر میں تیرہ و تار ہے۔

---

۱؎ واجد علی شاہ ۲؎ سید علی نقی بن سید حسین بن غفران مآب سید الدولہ علی نصیر آبادی۔ واجد علی شاہ کو سید علی نقی سے کمال عقیدت و ارادت تھی۔ ۱۳۰۹ھ میں انتقال ہوا۔ ۳؎

لال قلعے کو مبارک کہتے تھے۔ اس کے حوادث کی وجہ سے غالب کو پے در پے رنج پہنچے تو شدت غم میں اسے نامبارک کہہ دیا۔

حقیقی میرا ایک بھائی دیوانہ مر گیا۔ اس کی بیٹی، اس کے چار بچے، اس کی ماں یعنی میری بھاوج، جے پور میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس تین برس میں ایک روپیہ ان کو نہیں بھیجا۔ بھتیجی کیا کہتی ہوگی کہ میرا ابھی کوئی چچا ہے۔ یہاں اغنیاء اور امراء کے ازواج اور اولاد بھیک مانگتے پھریں اور میں دیکھوں! اس مصیبت کی تاب لانے کو جگر چاہیے۔

اب خاص اپنا دکھ روتا ہوں۔ ایک بیوی دو بچے، تین چار آدمی گھر کے، کلو کلیان، ایاز، یہ باہر امداری کی جو روپیے کی آمد نہیں۔ بیس آدمی روٹی کھانے والے موجود، مقام معلوم! اسے کچھ آئے جاتا ہے۔ آدمی ہوں، دیو نہیں بھوت نہیں۔ ان رنجوں کا تحمل کیوں کر کروں، بڑھاپا ضعف قوی، اب مجھ کو دیکھو تو جانو میرا رنگ ہے۔ شاید کوئی دو چار گھڑی بیٹھا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ نہ کہیں جانے کا ٹھکانا۔ نہ کوئی میرے پاس آنے والا، وہ عرق ۲ جو بقدر طاقت بنائے رکھتا تھا۔ اب میسر نہیں، سب سے بڑھ کر آمد آمد گورنمنٹ کا ہنگامہ ہے۔ دربار میں جاتا تھا۔ خلعت فاخرہ پاتا تھا، وہ صورت اب نظر نہیں آتی۔ نہ مقبول ہوں۔ نہ مردود ہوں۔ بے گناہ گار ہوں۔ نہ مخبر نہ مفسد، بھال اب تم ہی کہو اگر یہاں دربار ہوا اور میں بلایا جاؤں تو نذر کہاں سے لاؤں دو مہینے دن رات خون جگر کھایا اور ایک قصیدہ جو نسٹھ بیت کا لکھا، محمد افضل مصور کو دیا۔ وہ پہلی دسمبر کو مجھے دے گا۔ یہ اس کا مطلع ہے۔

ز سال نو دگر، آبے پردے کار آمد
ہزار وہشت صد و شصب در شا ر آمد

آمیں التزام اپنی تمام سرگزشت کے لکھنے کا کیا ہے، اس کی نقل تم کو بھیجوں گا۔ میرے آقازادہ روشن گہر، جناب مفتی میر عباس صاحب کو دکھانا ۳۔ اس بجھے ہوئے بلکہ مرے ہوئے دل پر کلام کا یہ اسلوب ہے۔

جہاں ۴ اپنا کی مدح کی فکر نہ کر سکا۔ یہ قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزرا نہ تھا۔ میں نے اسی میں امجد علی شاہ کی جگہ واجد علی شاہ کو بٹھا دیا۔ خدا نے بھی تو یہی کیا تھا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے کہ ایک قصیدہ دوسرے کے نام پر کر دیا۔ میں نے اگر باپ کا قصید بیٹے کے نام کر دیا تو کیا غضب ہوا۔ پھر کیسی حالت اور کیسی مصیبت میں کہ جس کا ذکر بطریق اختصار اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس قصیدے سے مجھ کو عرض دستگاہ سخن منظور نہیں، گدائی منظور ہے۔

بہ ہر حال یہ تو کہو قصیدہ پہنچایا نہیں؟ پرسوں تمہارے ماموں کا خط آیا۔ اس میں قصیدے کا پہنچنا لکھتے ہیں کل تمہارا خط آیا اس میں قصیدے کے پہنچنے کا ذکر نہیں۔ اس تفرقے کو مٹاؤ اور صاف لکھو کہ قصیدہ پہنچایا نہیں؟ اگر پہنچا تو حضور میں گزارا یا نہیں؟ اگر گزرا تو کس کی معرفت گزرا؟ اور کیا حکم ہوا؟ یہ امور جلد لکھو اور یہاں یہ بھی لکھو کہ املاک واقع شہر دہلی کے باب میں کیا حکم ہوا؟

---

۱ رامپور سے ۲ شراب ۳ ان کے حالات آگے بیان ہوئے ہیں ۴ واجد علی شاہ

---

میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ کل میں نے فرد فہرست دیہات و باغات و املاک مع حاصل ہر یک باغ و دہ ملک، ناظر جی کو بھیج دی ہے۔ اس خط سے ایک دن پہلے

وہ فرد پہنچے گی۔ یہ فرد کلکٹری کے دفتر سے لی ہے۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ شہر کی عمارت جو سڑک میں نہیں آئی اور برسات میں ڈھے نہیں گئی۔ وہ سب خالی پڑی ہے۔ کرایہ دار کا نام نہیں۔ مجھ کو یہاں کی املاک کا علاقہ حسین مرزا کے واسطے مطلوب ہے۔ میں تو پنسن کے باب میں حکم اخیر سن لوں۔ پھر رام پور چلا جاؤں گا۔ جمادی الاول سے ذی الحجہ تک آٹھ مہینے اور پھر محرم سے ۱۲۷۷ھ سال شروع ہوگا۔ اس کے دو چار، حد دس گیارہ مہینے غرض کہ انیس بیس مہینے ہر طرح بسر کرنے ہے۔ اس میں رنج و راحت، زلت و عزت جو مقسوم میں ہے۔ وہ پہنچ جائے اور پھر علی علی کہتا ہوا ملک عدم آباد کو چلا جاؤں۔ جسم رام پور میں اور روح عالم نور میں یا علی یا علی یا علی۔

میاں ہم تمہیں ایک اور خبر لکھتے ہیں۔ برہما کا پتر دو دن بیمار پڑا رہا۔ تیسرے دن مر گیا۔ ہے ہے کیا نیک بخت، غریب لڑکا تھا۔ باپ اس کا شیو جی رام اس کے غم میں مردہ سے بدتر ہے۔ یہ دو مصاحب میرے یوں گئے۔ ایک مردہ ایک دل افسردہ، کون ہے جس کو تمہارا سلام کہوں؟ یہ خط اپنے ماموں صاحب کو پڑھا دینا اور فرد ان سے لے کر پڑھ لینا اور جس طرح ان کی رائے میں آئے اس پر حصول مطلب کی بناء اٹھانا اور ان سب مدارج کا جواب شتاب لکھنا۔

ضیاء الدین خاں رہتک چلے گئے اور وہ کام نہ کر گئے۔ دیکھیے آ کر کیا کہتے ہیں اِیارات کو آ گئے ہوں یا شام تک آ جائیں۔ کیا کروں کہ کس کے دم میں اپنا دل ڈالو؟ یہ مرتضیٰ علی پہلے سے نیت میں یہ ہے کہ جو شاہ اودھ سے ہاتھ آئے۔ حصہ برادرانہ کروں۔ نصف حسین میرزا اور تم اور سجاد نصف میں، مفلسوں کا مدار حیات

خیالات پر ہے۔ مگر انھیں خیالات سے ان کا حسن طبیعت معلوم ہو جاتا ہے۔
والسلام خیر ختام۔

دوشنبہ دوم جمادی الاول ۱۲۷۶ھ
مطابق ۲۸ نومبر ۱۸۵۹ء وقت صبح

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

## (۸)

میاں،

کل صبح کو تمہارے نام کا خط روانہ کیا۔ شام کو تمہارا ایک خط اور آیا۔ حضرت زبدۃ العلماء۲ کا اب تک وہاں نہ پہنچنا تعجب کی بات ہے۔ حق تعالیٰ ان کو، جہاں رہیں حفظ و امان میں رکھے۔ جب چاہیں وہاں پہنچیں۔ میرا مقصود تو اتنا ہی ہے کہ قصیدہ گزرے اور کچھ ہمارے تمہارے ہاتھ آئے۔ لیکن کل کے خط کی پشت پر جو سطریں ناظر جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، انکے دیکھنے سے آس ٹوٹ گئی، کچھ ہاتھ آتا نظر نہیں آتا۔

املاک واقع شہر دہلی کے سوال کا جواب اب کی بار قلم انداز ہوا۔ مکرر کہا جائے تو بے شک یہ جواب آئے گا کہ ہم نے تو تم کو عوض ان مکانات کے یہ مکانات دیے۔ معاوضہ ہو گیا۔ بھائی، میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ املاک قتل ہوئی

---

۱ یعنی خط ۵ میں ان سے کچھ روپے سجاد میرزا اور حسین میرزا کو بھجوانے کا جو خیال تھا۔ وہ اس وقت پورا نہ ہوا۔ ۲ سے علی نقی زبدۃ العلماء

---

وہ سوا لاکھ روپیہ، جو علاوہ مقررہ ملا ہے۔ وہ دلی کی املاک کا خونبہا ہے پرسوں ناظر جی کے نام کے سرنامے میں فرد فہرست مجموع املاک بھیج چکا ہوں۔ خیر یہ دار بھی خالی ہو گیا۔ مولانا غالب علیہ الرحمۃ خوب فرماتے ہیں:

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کو دیکھا چاہیے

تمہارے ماموں صاحب کی دستخطی تحریر نے میرا حال کیا ہے۔ وہ کس زبان سے ادا کروں؟ ہے ہے حسین میرزا اور یہ کہے کہ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں اور مجھ کم بخت سے اس کا جواب سرانجام نہ ہو سکے؟ بہت بڑا آسرا تھا اور سرکار کی خدمت نہ سہی، عہدہ نہ سہی علاقہ نہ سہی سو ڈیڑھ سو روپیہ در ماہہ مقرر ہو جانا کیا مشکل تھا۔ دلی کے آدمی، خصوصاً امرائے شاہی ہر شہر میں بدنام اتنے ہیں کہ لوگ ان کے سایے سے بھاگتے ہیں۔ مرشد آباد بھی ایک سرکار تھی۔ حیدرآباد بہت بڑا گھر ہے۔ مگر بے ذریعہ وواسطہ کیوں کر جائے اور جائے تو کس سے ملے؟ کیا کہے؟ ناچار وہیں رہو۔ کسی طرح شاہ اودھ کا سامنا ہو جائے اور میں کہاں کی صلاح بتاؤں وہ صاحب ارہتک گئے ہیں۔ کل یقین ہے کہ آ گئے ہونگے۔ مجھے ابھی خبر نہیں آئی۔ اگر مشیت الٰہی میں ہے۔ تو دسمبر مہینے میں کچھ ظہور میں آ جائے گا۔ نواب گورنر جنرل بہادر، یقین ہے کہ آج آگرہ میں رونق افزوں ہوں گے۔ الور، جے پور، دھول پور، گوالیار، ٹونک جادرہ چھ رئیسوں کی وہاں ملازمت کی خبر ہے۔ خیر ہم کو کیا، لیث الدولہ حسین علی خاں بہادر کی خدمت میں میرا سلام نیاز اور شکریاد آوری۔

مرقومہ صبح سہ شنبہ ۲۹۔ نومبر، ۳ جمادی الاول بحساب جنتری

۱۸۵۹ء۔ ۱۲۷۶ھ

## (۹)

میاں،

تمہارا خط رام پور پہنچا اور رام پور سے دلی آیا۔ میں ۲۳ شعبان کو رام پور سے چلا اور ۳۰۔ شعبان کو دلی پہنچا۔ اسی دن چاند ہوا۔ یک شنبہ رمضان کی پہلی۔ آج دو شنبہ ۹۔ رمضان کی ہے۔ سونواں دن مجھے یہاں آئے ہوئے ہے۔ میں نے حسین میرزا کو رام پور سے لکھا تھا کہ یوسف مرزا کو میرے آنے تک الور نہ جانے دینا۔ ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا خط ان کو تمہاری روانگی کے بعد پہنچا۔ جو مجھ کو اپنے ماموں کے مقدمہ میں لکھتے ہو کیا مجھ کو ان کے حال سے غافل اور ان کی فکر سے فارغ جانتے ہو؟ کچھ بنا ڈال آیا ہوں۔ اگر خدا چاہے تو کوئی صورت نکل آئے۔ اب تم کہو کہ کب تک آؤ گے۔ صرف تمہارے دیکھنے کو نہیں کہتا۔ شاید تمہارے آنے پر کچھ بھی کیا جائے۔ مظفر مرزا کا اور ہمشیرہ ۲ صاحبہ کا آنا تو کچھ ضرور نہیں۔ شاید آگے بڑھ کر کچھ حاجت پڑے۔ بہ ہر حال جو ہوگا وہ سمجھ لیا جائے گا۔ تم چلے آؤ۔ ہمشیرہ عزیزہ کو میری دعا کہہ دینا۔ مظفر میرا کو دعا پہنچے۔ بھائی تمہارا خط رام پور پہنچا۔ ادھر کے چلنے کی فکر میں جواب نہ لکھ سکا۔

بخشی صاحبوں کا حال یہ ہے کہ آغا سلطان پنجاب کو گئے۔ جگراؤں میں منشی رجب علی کے مہمان ہیں۔ صفدر سلطان اور یوسف سلطان وہاں ہیں۔ نواب مہدی علی کاں بقدر بلہ اقل کچھ ان کی خبر لیتے ہیں۔ میر جلال الدین خوش نویس اور وہ دونوں بھائی باہم رہتے ہیں۔ میں وہیں ۲ تھا کہ صفر سلطان دلی کو آئے تھے۔

اب جو یہاں آیا تو سنا کہ وہ میرٹھ گئے۔ خدا جانے رام پور جائیں یا کسی اور طرف قصد کریں۔ تباہی ہے۔ قہر الٰہی ہے مجھ کو لڑکوں نے بہت تنگ کیا۔ ورنہ چند روز اور رام پور میں رہتا۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مرقومہ دوشنبہ ۹۔ رمضان ۲۔ اپریل

(۱۲۷۶ھ و ۱۸۶۰ء)

راقم غالب

---

۱ ضیاء الدین احمد خاں ۲ اظاہر بیگم حسین مرزا۔

## (۱۰)

آؤ صاحب میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ آج یکشنبہ کا دن ہے۔ ساتویں تاریخ شوال کی اور انتیسویں اپریل کی، صبح کو بھائی فضلو جن کو میر کاظم علی بھی کہتے ہیں اور ہم نے اختتام الدولہ خطاب دیا ہے، وہ تین پاؤ کھجوریں اور ایک ٹین کا لوٹا اور دو سوت کی رسیاں لے کر، بھٹیارے کے ٹٹو پر سوار ہو کر الور کو روانہ ہوئے۔ پہر دن چڑھے ڈاک کا ہرکارہ وہ تمہارا خط میرے نام کا اور ایک حکمنامہ محکمہ لاہور موسومہ میر کاظم علی لایا۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ تمہارے ماموں صاحب مع سجاد مرزا تشریف لائے۔ تمہارا خط ان کو دے دیا۔ وہ اس کو پڑھ رہے ہیں۔ اور میں یہ خط تم کو لکھ رہا ہوں۔

پہلے تو یہ خط لکھتا ہوں کہ حکمنامہ میر کاظم علی کو دے دینا اور میری طرف سے تعزیت کرنا کہ خیر بھائی صبر کرو اور چپ ہو رہو۔ تاریخ کے دو قطعوں میں ایک قطعہ رہا۔ ماہ رو خوش خرام کی جگہ مہ رخ خوش خرام بنا دیا ہے قطعہ اچھا ہے۔ بشرط آنکہ متوفیہ کا شوہر یہ الفاظ اپنی زوجہ کے واسطے گوارا کرے۔ خواجہ جان ہم جھوٹ بولتا ہے۔ والی رام پور کو اس پنسن کے اجرا میں کچھ دخل نہیں۔ یہ کام خدا ساز ہے۔ بہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام، ناظر جی نے تمہارے قول کی تصدیق کی اور کہا کہ ہاں مسودہ عرضی کا میرے پاس آ گیا۔ خیر تم نے جو لکھا ہو گا وہ مناسب ہو گا۔ خدا اس لائے اور کام بن جائے۔

الگزانڈر ہدرلے صاحب میرے دوست کے فرزند ہیں اور نیک بخت اور

سعادت مند ہیں۔میر کاظم علی وغیرہ۔

کی تنخواہ میں میری سپارش کا دخل نہیں ہے۔تم میر کاظم علی سے دریافت کرلوں۔ہاں دومقدموں میں میں نے ان کو دو خط لکھے۔مگرانھوں نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔اوران مقدموں میں کوشش بھی نہیں کی۔اب اس کو سمجھ کر جو کچھ تم لکھواس کے موافق عمل میں لاؤں۔ناظر جی صاحب اورسجاد میرزا اپنے گھر گئے۔ وہ تم کو دعا اورسجاد بندگی کہہ گیا ہے۔اپنے آنے میں جلدی نہ کروں۔ماں کی رضاجوئی کوسب امور پر مقدم جانو، میں ابھی رام پورنہیں جاتا۔برسات بعد بشرط حیات جاؤں گا۔یعنی اواخر اکتوبر یا اوائل نومبر میں قصد ہے۔یقین ہے کہ خط دون میر کاظم علی کے پہنچنے سے پہلے تمہارے پاس پہنچے۔ان کے نام کا حکمنامہ بہت احتیاط سے اپنے پاس رہنے دینا۔خبردار جاتا نہ رہے۔جب وہ پہنچیں۔تب ان کو حوالہ کرنا۔صاحب نہ خمس نہ نذر یہ باتیں غیریت کی ہیں۔جس طرح اپنے اور بچوں کو دوں گا۔مظفر میرزا اورتم کو بھی اسی طرح بھجوادوں گا۔ہمشیرہ عزیزہ کو یعنی اپنی والدہ کو میری دعا کہنا۔

مرقومہ یک شنبہ وقت نیم روز ہفتم شوال،

۱۹۔اپریل

۱۲۷۶ھ۔۱۸۶۰ء غالب

---

۱سید رجب علی ارسطو جاہ جو پہلے پنجاب میں میر منشی تھے۔غدر کے زمانے میں انگریزوں کے رفیق خاص اورمعتمد علیہ کا رکن رہے۔جگراؤں ضلع لدھیانہ میں اقامت تھی۔ایک مطبع بھی قائم کیا تھا۔غدر کے بعد ان کا گھر شرفا اور دہلی کا

ماٰمن بنا رہا۔ مفتی صدر الدین آرزو مرحوم جب املاک کی بازیافت کے لیے چارہ جوئی کی غرض سے لاہور آئے تھے تو ارسطو جاہ ہی کے ہاں ٹھہرے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد بھی دہلی سے نکلے تھے تو پہلے انھیں کے پاس مقیم ہوئے بعد ازاں لاہور پہنچے۔[۲] رام پور۔[۳] عام نسخوں میں رمضان چھپا ہوا ہے۔ اسے سہو کاتب یا سہو مرتب مکاتیب سمجھنا چاہیے۔[۴] شمس الدین خواجہ جان برادر بدر الدین خواجہ امان۔

## (۱۱)

یوسف مرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا خط کل منگل کو پہنچا۔ آج بدھ ۱۷۔ شوال اور ۹۔ مئی کی ہے۔ اسکا جواب بھیجتا ہوں۔ خدا کی قسم تامس ہدرلے صاحب سے میری ملاقات نہیں ہے۔ ہاں الک اِصاحب سے ہے۔ سو ان کے نام خط لکھا ہوا تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ کر بند کر کر ان کو دو اور ان سے ملو اور جو کچھ وہ کہیں مجھ کو لکھو۔ احتلام الدولہ بھائی فضلو کا ظم علی بہادر کیا جانے کہ کتاب کس کو کہتے ہیں اور آگرہ کس ہتھیار کا نام اور سکندر شاہ کون سے درخت کا پھل ہے۔ میرا اردو کا دیوان میرٹھ کو گیا۔ سکندر شاہ لے گئے۔ مصطفیٰ خاں کو دے آئے۔ ڈاک میں اس کی رسید آ گئی نہ برہان قاطع نہ قاطع برہان، کل جس وقت تمہارا خط آیا۔ اس وقت منشی میر احمد حسین میرے پاس بیٹھے تھے اور اس وقت سالک مجذوب بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دونوں صاحب تم کو اور بھائی فضلو کو سلام کہتے ہیں اور بھائی فضلو سے یہ کہہ دینا کہ اتفاق رائے منشی میر احمد حسین، اب باغ کی درخواست کی عرضی بے فائدہ۔ بلکہ مضر ہے تمہارا کاغذ قیمتی ایک روپیہ کا منشی جی کے پاس موجود ہے۔ وہ اس کو بیچ کر روپیہ تم کو بھجوا دیں گے۔

(۱۷ شوال ۱۲۷۶ھ۔ ۹۔ مئی ۱۸۶۰ء)

## (۱۲)

یوسف میرزا، کیوں کر تجھ کو لکھوں کہ تیرا باپ ۲ مر گیا اور اگر لکھوں تو پھر آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو، مگر صبر؟ یہ ایک شیوہ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کیا کرتے ہیں کہ صبر کرو۔ ہائے ایک کا کلیجہ کٹ گیا اور لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ۔ بھلا کیوں کر نہ تڑپے گا۔ صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں۔ پہلے بیٹا مرا۔ پھر باپ مرا، مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروکس کو کہتے ہیں؟ تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو۔

تمہاری دادی لکھتی ہیں کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا۔ یہ بات سچ ہے تو جوانمرد ایک بار دونوں قیدوں سے چھوٹ گیا۔ نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ، ہاں صاحب، وہ لکھتی ہیں کہ پنسن کا روپیہ مل گیا تھا۔ وہ تجہیز و تکفین کے کام آیا۔ یہ کیا بات ہے، جو مجرم ہو کر چودہ برس کی مقید ہوا ہو۔ اسکا پنسن کیوں کر ملے گا اور کس کی درخواست سے ملے گا۔ رسید کس سے لی جائے گی؟

مصطفٰی خاں کی رہائی کا حکم ہوا۔ مگر پنسن ضبط۔ ہر چند اس پرستش سے کچھ حاصل نہیں، لیکن بہت عجیب بات ہے تمہارے خیال میں کچھ آئے گا۔ وہ مجھ کو لکھو ۲۔ دوسرا امر یعنی تبدیل مذہب۔ عیاذ باللہ علی کا غلام کبھی مرتد نہ ہوگا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ حضرت چالاک اور سخن ساز اور ظریف تھے۔ سوچے ہوں گیا کے ان دموں میں اپنا کام نکالو اور رہا ہو جاؤ۔ عقیدہ کب بدلتا ہے۔ اگر یہ بھی تھا تو ان کا گمان غلط تھا۔ اس طرح رہائی ممکن نہیں۔ قصہ مختصر تمہاری دادی کا خط جو تمہارے بھائی نے

مجھ کو بھیجا تھا۔ وہ میں نے تمہارے ماموں کو بھیج دیا۔ ان کی جا داد کی واگزاشت کا حکم تو ہو گیا ہے۔ اگر ان کے بڑے بھائی کے یار انکو چھوڑیں۔ دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے۔

مظفر میرزا کو دعا پہنچے۔ تمہارا خط جواب طلب نہ تھا۔ تمہارے چچا کا آغاز اچھا ہے۔ خدا کرے انجام اسی آغاز کے مطابق ہو۔ ان کا مقدمہ دیکھ کر تمہاری پھوپھی کا اور تمہارا سرانجام دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔ ہو گا کیا؟ اگر جاہ اویں مل بھی گئیں تو قرضدار دم دام لیں گے۔ رازق حقیقی پنسن دلوادے کہ روٹی کا کام چلے۔

جناب میر قربان علی صاحب کو میرا سلام نیاز اور میر کاظم کو دعا۔

مرقومہ شنبہ۔ ۲۷ شوال ۱۲۷۶ھ

۱۹۔ مئی سال حال ۱۸۶۰ء

غالب

---

۱؎ الگزاندر رہدر لے کا ایک تخلص آزاد تھا اور دوسرا الک (مخفف الگزانڈر) تامس اس کا بھائی تھا۔ ۲؎ یوسف میرزا کے باپ کا نام محمد نصیر تھا اور وہ لکھنو میں رہتا تھا۔

# نواب سجاد میرزا

## (۱)

قرۃ العین سجاد ابن حسین سلمہ اللہ تعالیٰ

خوبی دین و دنیا تم کو ارزانی ۔تمہارے خط کے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہوگئیں ۔ دل کو چین آ گیا ۔چشم بدور، خط اچھا، عبارت اچھی ۔ اردو میں مطلب نویس اچھے ہو۔ حق تعالیٰ تم کو عمر و دولت عطا کرے ۔ اپنے والد ماجد کو سلام کہنا۔ اپنے بھائی مظفر میرزا کو دعا کہنا۔ زیادہ۔ زیادہ۔

مارچ ۱۸۶۵ء روز چہار شنبہ نجات

کا طالب، غالب

---

[1] شیفتہ [2] یعنی پنشن کا روپیہ کیوں کر ملا؟

---

نوبدہ آل رسول ﷺ ۔ سجاد میرزا خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا۔ دلنواز نامہ پہنچا۔

حیران اطوار خودم در ماندہ کار خودم

ہر لحظہ وارم نیتے چوں قرع رمالہا

تمہارے یار باقر[1] میرزا تحصیلداری تحصیلداری پکارتے تھے ۔ یہاں معلوم ہوا کہ تمام قلمرو[2] میں چھ تحصیلداریاں اور چھ تھانہ داریاں ہیں۔ ساتواں علاقہ کہاں سے پیدا کیا جائے۔ رہی مصاحبت، اس کو پہلے تسنن اور پھر علوم رسمیہ سے آگہی،

پھر زبان آوری، پھر قسمت کی یاوری شرط ہے۔ باقر علی خاں کو تین شرطیں درکار، پہلی شرط موجود ہے۔ تم کو پہلی شرط ازلا و ابد مفقود ہے بعد جشن کے وقت رخصت ان دونوں کے لڑکوں کے باب میں، ناظر جی اور مظفر میرزا اور تمہارے باب میں، محمد میرزا ابن سیف الدولہ اور میاں ذکی الدین اور میاں عبدالسلام کے باب میں کلام کروں گا۔

تا بنگر ید خواشہ کردگار چیست

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# نواب میر غلام بابا خاں

نواب میر غلام بابا خاں عرف چھوٹے صاحب سورت کے رئیس تھے۔ان کے جد اعلیٰ میر جمال الدین عرف خواجہ دانا ترکستان سے اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے تھے۔ان کی اولاد میں سے خواجہ ابوالحسن ۱۱۲۶ھ میں فوت ہوئے۔انکے دو بیٹے تھے۔فیض الحسن اور نورالاعلی۔یہ اصحاب ذکر وفکر تھے۔اسی دودمان عالیشان سے میر غلام بابا خاں تھے۔۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں پیدا ہوئے۔خان بہادر اور سی آئی ای کا خطاب پایا۔۱۲۔شوال ۱۳۱۰ھ (۱۹ اپریل ۱۸۹۳ء کو فوت ہوئے۔کسی صاحب نے تاریخ وفات کہی، جس کے بعض شعر یہ ہیں؛

سید آں آل نبی ترمذی، اولاد حسن
نقشبندی سندے بود غلام بابا
الف و پنجاہ رود صد بود سنہ از ہجری
روز شعباں شدہ مولود غلام بابا
روح پرید شب دوازدہم در شوال
رحمتہ اللہ ذوی الجود غلام بابا
عمر مرحوم شدہ شصت کہ بس پیک اجل
گفت برخیز بہ معبود غلام بابا
ازسر ہفت فلک گفت چہ رضواں تاریخ
بہ جناں آمد و آسود غلام بابا

۱ابن زین العابدین عارف ۲قلمرو سے مراد پور ہے۔۳یعنی سنی ہیں۔لیکن نہ علوم رسمیہ سے آگاہ ہیں۔نہ زبان آور، نہ قسمت کے یاور۴یعنی تم شیعہ ہو۔اس سے مراد نواب کلب علی خاں کا جشن سند نشینی ہے جو اواخر ۱۸۶۵ء میں رام پور میں ہوا تھا۔۶یا قر علی اور حسین علی فرزندان عارف۔

۱۳۰۰ھ ایک ماذنہ بنوایا تھا۔جس کی تاریخ یہ تھی:

ز ردے بانگ بگو بر عمود دین بنی ﷺ

دوبارہ اشہد ان لا الہ الا اللہ

نواب صاحب بڑے خلیق، حلیم، سلیم، متواضع اور متحمل مزاج بزرگ تھے۔ دو بیٹے یادگار چھوڑے۔

ملیباری نے اپنے عہد کے تمدنی حالات میں ایک کتاب لکھی تھی۔اس میں غلام بابا خاں کا بھی ایک واقعہ مرقوم ہے اور وہ یہ کہ موصوف بمبئی سے سورت آرہے تھے۔اور ان کے پاس درجہ اول کا ٹکٹ تھا۔ریل میں سوار ہوئے تو ایک انگریز نے انھیں بہت برا بھلا کہا۔لیکن میر غلام بابا خاں نے انگریز کی بدتمیزی پر صبر کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

غالب کے ساتھ روابط میاں داد خاں سیاح کی وساطت سے پیدا ہوئے۔ جو میر غلام بابا کے مصاحب بن گئے تھے۔

# (۱)

سبحان اللہ تعالیٰ شانہ ما اعظم بر ہانہ جناب مستطاب ، نواب میر غلام بابا خاں بہادر سے بتوسط میاں داد خاں صاحب شنا سائی بہم پہنچی ۔لیکن واہ۔اول ساغر و دردی، کیا جگر خوں کن اتفاق ہے ۔ پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا ۔ اس میں خبر مرگ ۔اب میں جو اس کا جواب لکھوں ۔اور میرا پہلا خط ہوگا ۔لامحالہ مضامین میں اندوہ انگیز ہوں گے ۔ نہ نامہ شوق نہ محبت نامہ ۔صرف تعزیت نامہ، صریر قلم ماتمیوں کے شیون کا خروش ہے ۔ جو لفظ لکھا وہ سیاہ پوش ہے۔ ہے ہے میر جعفر علی خاں! جیسا امیر روشن گہر نام آور، روشناس اعیان ہند و انگلینڈ وسط جوانی یعنی ۴۶ برس کی عمر میں یوں مرجائے ۔

نخل چمن سروری افتاد ز پاہاے

سچ تو یہ ہے کہ یہ دہر آشوب غم ہے ۔مجموع اہل ہند ماتم دار و سوگوار ہوں تو بھی کم ہو۔ اگر چہ میں کیا اور میری دعا کیا، مگر اس کے سوا کہ مغفرت کی دعا کروں ۔ کیا کروں؟ قطعہ سال رحلت نواب غفران ماب ۔ جب دل خار خار غم سے پرخوں ہوا۔ یوں موزوں ہوا:

گر دید نہاں مہر جہا نتاب دریغ
شد تیرہ جہاں، بچشم احباب دریغ
ایں واقعہ راز روے زاری غالب
تاریخ رقم کرو کہ نواب دریغ

روے زاری یعنی زاء ہوز کے عدد بڑھائے جائیں ،تو ۱۲۸۰ھ پیدا ہوتے ہیں ۔فہذا المطلوب ،شریک بزم ماتم ،منشی میاں داد خاں صاحب کو سلام ۔

## (۲)

یہ جناب نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ بعد سلام مسنون الاسلام ودے

سہ شنبہ سوم دسمبر ۱۸۶۴ء خوشنوی

احباب کا طالب، غالب

---

۱نواب میر جعفر علی خاں، نواب میر غلام بابا خاں کے خسر تھے۔یعنی ان کی پہلی بیوی رحیم النساء بیگم عرف چھوٹی بیگم کے والد۔دولت و اقبال کہ ہمیشہ ورد زبان ہے۔ گھڑی کے عطیہ کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجالاتا ہوں۔ پہلے تو آپ دوست اور پھر میر اور پھر سید۔نظر ان تینوں امور پر اس ارمغاں کو میں بے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔ خداے عالم آراے آپ کو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپ کا ممد و مددگار رہے۔ ظاہر، بوقت روانگی کنجی کا رکھنا سہو ہو گیا۔ خیر یہاں بن جائے گی ۔والسلام بالوف الاحترام

(۳)

جناب نواب صاحب،

آپ کے اخلاق کا شاکر اور آپ کی یاد آوری کا ممنون اور آپ کے دوام دولت کا دعا گو ہوں۔ اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا۔ تو ریل کی سواری میں مقرر۔ آپ تک پہنچتا اور آپ کے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔ آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے۔ خط کے دیر دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے۔ اگر میری اوقات شانہ روزی اور میرے حالات آپ دیکھیں تو تعجب کریں گے کہ یہ شخص جیتا کیوں کر ہے۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑے رہنا اور پھر و مبدم پیشاب کو اٹھنا۔ ان مجموع مصائب میں سے ایک ادنی مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۸۳ ہجری شروع ہوئی۔ ۱۲۱۲ء کی ولادت ہے۔ اب کے رجب کے مہینے سے سترھواں سال شروع ہوگا۔ سترا بہترا۔ بہسر ابوڑھا۔ اپاہج آدمی ہوں۔ جو عنایت تم میرے حال پر فرماتے ہو صرف تمہاری خوبی ہے۔ میں کسی لایق نہیں۔

چہار شنبہ ۳۱۔ مئی ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب غالب

## (۴)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان امید گاہ درویشاں، زادا افضالکم۔

آپ کا بندہ منت پذیر۔ غالب خونیں صفیر، یوں نوا سنج ہوتا ہے۔ کہ عنایت نامہ عز ورود لایا اور مژدہ قبول سے میرا مرتبہ بڑھایا۔ جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا۔ اگر اس کی قدردانی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک جانتا ہوں۔ البتہ آپ نے از راہ حق پسندی کی قدردانی اور میری قدر افزائی کی ہے۔ جو اغلاط فارسی دانان ہند کے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے۔ انکو دفع کیا ہے تو کیا برائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اوچھی پونجی والے۔ گمنام اپنی شہرت کے لیے مجھ سے لڑتے ہیں۔ واہ واہ، اپنے نامور بنانے کو ناحق احمق بگڑتے ہیں۔

عطیہ حضرت بتوسط جناب سیف الحق[1] پہنچا اور میں نے اس کو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضی علیہ التحیہ والثناء آپ کا دادا اور میرا آقا۔ خدا کا احسان ہے کہ میں احسان مند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا۔ آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی۔ چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے۔ بس اب اسکے چھپ جانے میں دیر کیا ہے۔

صبح یک شنبہ ۱۷۔ ستمبر ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب، غالب

---

[1] میاں داد خاں سیاح جنھیں غالب نے سیف الحق خطاب دیا تھا۔ یہ سو روپے کے عطیہ کی طرف اشارہ جو غالب کو بتوسط سیاح قاطع برہان، کی طبع ثانی کے لیے پہنچا تھا۔

## (۵)

نواب صاحب جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سلامت

فقیر اسد اللہ عرض کرتا ہے کہ آپ کے خط کے آنے نے میری آبرو بڑھائی۔ حق تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے۔ چھتیس درفش کاویانی[۱] کی رسید پہنچی۔ حسب الارشاد اور بھیجوں گا۔ قبلہ غرض شہرت ہے۔ اس قلمرو میں میں نے جلدیں تقسیم کی ہیں۔ اس ملک میں آپ بانٹ دیں۔ اتنی میری عرض قبول ہو کر بڑودہ۔ گجرات میں سید احمد حسن مودودی اور میر ابراہیم علی خاں صاحب کو ایک ایک جلد بھجوا دیجئے گا اور چھ جلدیں مولانا سیف الحق کو عطا کیجئے گا کہ وہ اپنے کو بھجوا دیں۔

خواجہ بدرالدین خاں[۲] میرے بھتیجے نے بوستان کو اردو میں لکھا ہے۔ اسکا ایک شعر ایک اشتہار اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونے والا ہے۔ اس کے دو اشتہار اس خط کیساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں۔ تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں۔ والسلام مع الاکرام مع الاکرام، میاں سیف الحق کو سلام۔

۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء

(٦)

نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان نواب میر غلام بابا صاحب بہادر، زاد مجدہ،

عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ اور مولانا سیف الحق کا مہربانی نامہ دونوں لفافے ایک دن پہنچے۔ سیف الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائی ہیں۔ مبارک ہو۔ نظارہ بزم جمشیدی سے محروم رہوں گا۔ مگر میرا حصہ مجھ کو پہنچ رہے گا۔ خاطر جمع ہے۔

کیوں حضرت صاحبزادے کا اسم تاریخی پسند آ گیا نہیں؟ نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خان بھی۔ سید مہابت علی خاں، عجب ہے اگر پسند نہ آئے۔ اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپکے خط میں توضیح، نہ میاں داد خاں کے خط میں خبر، یہ میں نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی یہی نام رکھیے۔ پسند آنے یا نہ آنے کی تو فقیر کو اطلاع ہو جائے۔

۹۔ ماہ اگست ۱۸۶۶ء

جواب کا طالب غالب

---

۱ قاطع برہان، کا نام طبع ثانی میں غالب نے درفش کاویانی، رکھا تھا۔ ۲ خواجہ بدرالدین عرف خواجہ امان ابن خواجہ حاجی، جنکی والدہ غالب کی بہن کی نند تھی۔ یعنی خواجہ حاجی کی شادی میرزا جیون بیگ سبزہ پوش کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور انھیں کے بطن سے خواجہ امان اور ان کے بھائی خواجہ جان پیدا ہوئے اور غالب کی بہن چھوٹی بیگم مرزا جیون بیگ کے صاحبزادے۔ میرزا اکبر بیگ سے بیاہی گئی تھی۔ اس بناء پر خواجہ امان کو میرزا نے بھتیجا لکھا۔

---

اختتام ------------------- حصہ سوئم